5
نقاب پوش مِلکہ

بوستانِ خیال　　　　　　　　　　　　پانچواں حصّہ

نقاب پوش ملکہ

مقبول جہانگیر

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

عورتوں کی حکومت

شہزادہ اسماعیل اس تپتے ہوئے صحرا میں کُچھ دُور ہی گیا تھا کہ یکایک سامنے سے طالقُوس نجومی آتا دِکھائی دیا۔ اس نے شہزادے کو سلام کرنے کے بعد کہا :

"ابھی دشتِ بادانگیز کے تین مرحلوں میں سے ایک مرحلہ آپ نے طے کیا ہے۔ دو مرحلے ابھی باقی ہیں۔ پہلا عورتوں کا شہر ہے جہاں مرد ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا۔ وہاں عورتوں کے پیدا ہونے کا طریقہ بھی

نِرالا ہے۔ جب کوئی عورت مر جاتی ہے تو اُسے قبر میں دبا دیتے ہیں۔ دو سال بعد اُس قبر کو کھولتے ہیں تو ویسی ہی ایک عورت صحیح سلامت باہر نکل آتی۔

دوسرا مرحلہ گہرے کنویں کا ہے جو دراصل دشتِ بادانگیز سے باہر نکلنے کا دروازہ ہے۔ اب میں تمہارے ساتھ پہلی بستی تک چلوں گا جو بقّالوں کی آبادی کہلاتی ہے۔ پھر وہاں نجُوم کی مدد سے تمہارے مُستقبل کا زائچہ بناؤں گا۔"

غرض شہزادہ طالقُوس کے ساتھ ہوگیا۔ صحرا میں گرمی کی وہی شدّت تھی۔ تمام راستے نہ کوئی درخت نظر آیا، نہ پانی کا چشمہ تھا۔ خُدا خُدا کر کے بھوکے پیاسے تھکے ہارے اکیس روز بعد ایک قصبے میں پہنچے۔

یہاں مکان خُوش نُما بنے ہوئے تھے اور ہر مکان سفید رنگ کا تھا۔ یہاں بقّالوں کے سوا کوئی دوسری قوم آباد نہ تھی۔ اور یہ بقّال بھی گھی، اناج

اور روغن زیتون کے سوا کسی اور چیز کی خرید و فروخت نہ کرتے تھے۔

شہزادے نے طالقُوس سے اِس کا سبب پُوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ یہ بقّال بُرج میزان کے اثر میں ہیں۔ اور اِس لیے ایسی اشیا بیچتے ہیں۔ یہاں سے چند منزل دُور عورتوں کا شہر ہے۔ بقّال روزانہ اپنا سامان بیچنے کے لیے عورتوں کے شہر میں جاتے ہیں اور اپنی چیزوں کے بدلے کچّی چاندی وہاں سے لاتے ہیں۔ صرف وہی دِن ہوتا ہے جب اِس شہر میں چند لمحوں کے لیے مرد کی صورت نظر آتی ہے۔

شہزادے نے آبادی کی سیر کے دوران میں دیکھا کہ شہر کے بیچوں بیچ سونے کی بہت بڑی ترازو لٹکی ہوئی ہے اور جو اِدھر آتا ہے، ترازو کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔ ایک جگہ بقّالوں کا ہجوم دِکھائی دیا۔ شہزادہ بھی اِس ہجوم میں گھُس گیا۔ معلوم ہوا کہ ایک بقّال کی بیٹی کا شوہر سفر پر گیا تھا۔ بیوی نے شوہر کی غیر حاضری میں اُس کا سارا مال اسباب نکال کر اپنے

باپ کے گھر پہنچا دیا اور شوہر واپس آیا تو کہہ دیا کہ گھر میں چوری ہو گئی۔
شوہر کو اِس کے کرتوت کا پتا چل گیا۔ اُس نے حاکم کی عدالت میں انصاف
کی دہائی دی۔ اب حاکم نے حُکم دیا ہے کہ میاں بیوی دونوں کو ترازو کے
پاس لے جاؤ اور باری باری اُنہیں ترازو کے پلڑے میں بٹھاؤ۔ جو سچّا ہو گا،
اُس کا پلڑا جھُک جائے گا اور جو جھوٹا ہو گا اُس کا پلڑا اُوپر اُٹھ جائے گا۔

جُوں ہی عورت کو پلڑے میں ڈالا گیا، وہ فوراً اُوپر اُٹھ گیا۔ ثابت ہو گیا کہ
عورت جھوٹ بول رہی تھی۔ حاکم نے اُسے گرفتار کر کے قید خانے میں
ڈال دیا۔ ایک ہفتے بعد شہزادہ وہاں سے عورتوں کے شہر کی جانب روانہ
ہوا۔ طالقُوس نے نصیحت کی کہ سُرمہ زُحل آنکھوں میں لگا لو تو بہتر ہے۔
شہزادے نے یہ نصیحت مان لی اور سُرمہ لگا کر عورتوں کے شہر میں آیا۔
دیکھا کہ شہر خُوب صورت ہے اور اسے بہت اعلیٰ طریقے پر سجایا گیا ہے۔
تمام عورتیں سفید رنگ کی تھیں اور گانے بجانے اور ناچنے کی شوقین۔

شہزادے کو بھوک لگتی تو کسی بھی مکان میں گھُس جاتا اور دستر خوان بچھتا اور عورتیں کھانا کھانے بیٹھتیں تو یہ بھی اُن کے ساتھ شامل ہو کر مزے مزے سے دعوت اُڑاتا۔ سُرمۂ زُحل کی برکت کے باعث نظر کسی کو نہ آتا تھا۔

اِس شہر کی مَلِکہ کا نام ذکیّہ سفید پوش تھا۔ شہزادہ ایک روز اُس کے محل میں چلا گیا اور مَلِکہ کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد مَلِکہ نے محسوس کیا کہ دستر خوان پر سے آپ ہی آپ کھانا کم ہوتا چلا جاتا ہے۔ اُس نے اپنی دایہ سے کہا کہ اے امّاں، تُم دیکھتی ہو، کوئی جِن ہمارے ساتھ کھانا کھاتا ہے۔ دایا نے بھی یہ تماشا دیکھا کہ کھانے کی قابیں اور رکابیاں خود بخود خالی ہوتی جاتی ہیں۔ وہ خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھاگ گئی۔

شہزادے نے شہر کی سیر کے دوران میں دیکھا کہ ایک عالی شان سفید رنگ

کا محل ہے جس کی چھت آسمان سے باتیں کرتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اِس میں حُسنہ نام کی ایک بُڑھیا رہتی ہے جس کے آگے دوسری عورتیں اور مَلِکہ ذکیّہ سفید پوش تک ادب سے جھُک جاتی ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ حُسنہ بہت عبادت گزار اور نیک عورت ہے اور جو مُنہ سے نکال دیتی ہے، ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ شہزادہ بھی اُسے دیکھنے کے لیے اندر داخل ہوا۔

کوئی دو سو برس کی ایک بُڑھیا بڑی شان سے کرسی پر بیٹھی تھی۔ اُس کے سر کے بال چاندی کے تاروں کی مانند سفید اور چمک دار تھے۔ ہزار دانوں کی لمبی سی تسبیح ہاتھ میں تھی۔ اتنے میں دو عورتیں روتی پیٹتی سیاہ لباس پہنے حُسنہ کے پاس آئیں اور ایک ایک کاغذ اُس کے سامنے رکھ دیا۔

معلوم ہوا یہاں ہر عورت کو اپنا اعمال نامہ سال بھر میں خود تیّار کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بعد سب عورتیں ایک میدان میں جاتی ہیں اور اپنا اپنا اعمال نامہ وہاں لٹکی ہوئی ترازو میں ڈال دیتی ہیں۔ جس کے اعمال کمزور

ہوتے ہیں اُس کا پلڑا اُوپر اُٹھ جاتا ہے، اور پھر ایسی عورتوں کو گانے بجانے یا ناچنے سے روک دیا جاتا ہے۔ سزا کا یہی طریقہ یہاں رائج ہے۔ جو دو عورتیں حُسنہ کے پاس فریاد کرتی آئی تھیں، اُن کے اعمال بھی کمزور ثابت ہوئے تھے اور اُنھیں جشن میں حصّہ لینے سے روک دیا گیا تھا۔ حُسنہ نے اُنھیں ہدایت کی کہ دو ماہ تک بھوکی رہو۔ صرف پھلوں اور شربت پر گزارہ کرو۔ اِس کے بعد تمھارے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔

طالقُوس نجومی نے حساب کتاب لگانے کے بعد شہزادے کو بتایا کہ اگر وہ ترازو کے ایک پلڑے میں آدھی رات کے بعد بیٹھ کر اسمِ اعظم پڑھے تو دوسرا مرحلہ فتح ہونے کی جلد کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ شہزادے نے اِس ہدایت پر عمل شروع کیا۔ چار راتیں اسمِ اعظم پڑھتے ہوئے گزر گئیں۔ جمعے کی رات تھی اور شہزادہ ترازو کے ایک پلڑے میں بیٹھا، آنکھیں بند کیے، اسمِ اعظم پڑھ رہا تھا کہ ایک عورت نے آ کر پوچھا:

"اے نوجوان ہمیں کس لیے طلب کیا ہے؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "میں حِصارِ ہوائی کے حاکم سے فرمان حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہی میرا مطلب ہے۔"

اُس عورت نے شہزادے کو ترازو کے دوسرے پلڑے میں سوار کیا۔ سوار ہوتے ہی وہ پلڑا یکایک زمین سے اس قدر بُلند ہوا کہ سارا شہر ایک چھوٹے سے گھروندے کی مانند دِکھائی دینے لگا۔ شہزادہ برابر اسمِ اعظم پڑھنے میں مشغول رہا۔ تھوڑی دیر بعد دوسری عورت دِکھائی دی اور اُس نے بھی شہزادے سے یہی پوچھا کہ اے نوجوان، تُو نے ہمیں کس لیے طلب کیا ہے۔ شہزادے نے وہی جواب دیا جو پہلی عورت کو دیا تھا۔ سُنتے ہی دوسری عورت نے ترازو پکڑ کر اِس زور سے گھمائی کہ پلڑا ترازو سے الگ ہو کر کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح زمین کی طرف چلا، اور پھر دھائیں سے نیچے گِرا۔

اس صدمے سے شہزادہ بے ہوش گیا۔ جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایسے پُر فضا باغ میں دیکھا جو جنّت کا نمونہ تھا۔ باغ میں جا بجا سفید رنگ کی خوش نُما اور عالی شان عمارتیں بنی تھیں۔ پھولوں میں سے ایسی خوشبو آتی تھی کہ دماغ معطّر ہو گیا اور شہزادے پر مستی سی چھا گئی۔

یکایک سنگِ مرمر کی ایک نفیس بارہ دری باغ کے درمیان میں بنی نظر آئی۔ اِس بارہ دری کے اندر تختِ مروارید پر تاج پہنے ایک خوب صورت شہزادی بیٹھی تھی۔ اُس کے اِرد گِرد سینکڑوں خادماؤں اور کنیزوں کا ہجوم شہزادے نے سُرمۂ زُحل آنکھوں میں لگایا اور ایک کُرسی پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا۔ پھر دستر خوان بچھا اور طرح طرح کے ہزار ہا لذیذ کھانوں کے خوان، کنیزیں اپنے سروں پر رکھ کر لانے لگیں۔ شہزادے نے مزے لے لے کر کھانا کھایا اور وہیں بارہ دری کے ایک گوشے میں لیٹ کر گہری نیند سو گیا۔

صُبح مُنہ اندھیرے آنکھ کھُلی۔ درختوں پر ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں نہایت حسین اور نازک پرندے بیٹھے نظر آئے، جِن کے دِل کش نغمے ایسے بھلے معلوم ہوئے کہ شہزادہ خوشی سے جھومنے لگا۔ اتنے میں ایک پرندے نے اُس کے قریب آ کر چلّانا شروع کیا۔ شہزادے نے اُس کے تیر مارا۔ وہ زخمی ہو کہ پھڑکنے لگا۔ شہزادے نے اُس کا تھوڑا سا خون آنکھوں میں لگایا۔ اُسی وقت سُرمۂ زُحل کا اثر جاتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد چند کنیزیں شہزادے کو دیکھ کر وہاں آئیں اور عزّت سے اپنے ساتھ شہزادی کے پاس لے گئیں۔ شہزادی نے بھی اُسے اچھّی نظروں سے دیکھا اور اپنے قریب ہی ایک کُرسی پر بِٹھا لیا۔ پھر پوچھا کہ اے نوجوان، تشریف لانے کا مقصد بیان کرو۔ شہزادے نے کہا:

"صرف اِس لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، کہ آپ حِصارِ ہوائی کی مَلِکہ کی حیثیت سے مُجھے فرمان لکھ کر دیں۔"

شہزادی نے اُسی وقت بڑی خوشی سے فرمان لکھ کر شہزادے کے حوالے کیا۔

دوسری صُبح جب آنکھ کھُلی تو شہزادے نے اپنے آپ کو باغ کے باہر پڑے ہوئے پایا۔ باغ کے اندر جانے کی کوئی راہ نہ دیکھی تو مجبور ہو کر ایک جانب روانہ ہوا۔ چلتے چلتے ایک ایسے خطرناک جنگل میں پہنچا جہاں قدم قدم پر کانٹوں والی جھاڑیاں راستہ روکے کھڑی تھیں۔ ہوا اتنی تیز کہ دو قدم آگے رکھتا تو چار قدم پیچھے جا گرتا۔ بڑی مُشکل کے ساتھ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ پہاڑ پر ایک عالی شان قَلعہ دِکھائی دیا جس کی دیواریں اور بُرج فولاد کے معلوم ہوتے تھے۔ قَلعے کے دروازے پر ایک بد صورت اور کالے رنگ کا ایک آدمی نظر آیا۔ پھر اُس جیسے بہت سے سیاہ فام شخص قَلعے کی فصیل، بُرجوں اور مختلف دروازوں پر گھومتے پھرتے دِکھائی دیے۔

جوں ہی اِن سیاہ فام آدمیوں نے شہزادے کو دیکھا، بھاگتے ہوئے آئے اور بڑی منّت خوشامد کرکے قَلعے کے اندر لے گئے۔ قَلعے کے اندر مکان ٹیڑھے ٹیڑھے اور تنگ و تاریک تھے۔

ایسے ہی ایک مکان میں وہ سیاہ فام شہزادے کو لے گئے۔ یہاں اتنی بد بُو تھی کہ خُدا کی پناہ! سڑاند سے شہزادے کا دماغ پھٹنے لگا۔ مجبور ہو کر ہاتھ ناک پر رکھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص کالے ماش کی کھچڑی، کالے گھی میں پکی ہوئی، لایا۔ برتن بھی تمام کے تمام کالے رنگ کے تھے حتّیٰ کہ پانی کا رنگ بھی کوئلے کی طرح سیاہ تھا۔ شہزادہ بھُوک سے نِڈھال ہو رہا تھا۔ جی نہ چاہنے کے باوجود ناگوار کھانے کے چند لُقمے کھائے، پانی پیا اور ہاتھ دھوئے۔ پھر اُنھوں نے شہزادے کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں اور گھسیٹتے ہوئے قاضی کی عدالت میں لے گئے۔

وہاں ایک سیاہ فام نے شہزادے پر الزام لگایا کہ اس نے کئی برس

ہوئے، اُس کے مکان میں چوری کی تھی۔ آج اِسے پکڑ کر لائے ہیں۔ قاضی نے شہزادے کا بیان سُنے بغیر حُکم دیا کہ اِس کو سولی پر لٹکا دیا جائے۔ یہ حُکم سُنتے ہی سب کے سب سیاہ فام خُوشی سے اُچھلتے ناچتے لگے۔ اُسی وقت ایک ہیبت ناک شکل کا جلّاد آیا اور شہزادے کو گھسیٹ کر لے گیا۔ یہ تمام واقعہ اِس تیزی سے پیش آیا کہ شہزادہ بد حواس ہو گیا اور سُرمۂ زُحل لگا کر غائب ہو جانے کا خیال بھی نہ آیا۔ اب جو دیکھا تو اِرد گرد ہزاروں تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ جلّاد نے اُسے پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیا اور بڑی بھیانک آواز میں بولا:

"اے نوجوان، کوئی آخری خواہش ہے تو بیان کر تا کہ اِسے پورا کریں۔ یہ یہاں کا دستور ہے کہ جس کو سولی پر چڑھاتے ہیں۔ اُس سے آخری خواہش ضرور پوچھ لیتے ہیں۔"

گہرے کنویں میں

کالے جلّاد نے شہزادے کو سولی پر لٹکانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ایک طرف سے طالقُوس نجُومی نمودار ہوا۔ شہزادہ اُسے دیکھ کر حیران ہوا۔ اُس نے شہزادے سے کہا :

”جلدی سے سُرمۂ زُحل آنکھوں میں لگا کر اِس مُوذی قوم کی نگاہوں سے غائب ہو جائیے۔ میں آپ کو شہر سے باہر پہاڑ کے دامن میں مِلوں گا۔“

طالقُوس کے یاد دلانے سے شہزادے کو ہوش آیا۔ جلّاد سے کہا میری خواہش ہے کہ کُچھ دیر کے لیے علیحدگی میں مُجھے اپنے خُدا کی عبادت کر لینے کا موقع دو۔ جلّاد نے یہ درخواست منظور کی اور شہزادے کو ایک کوٹھڑی میں دھکیل کر باہر پہرا دینے لگا۔

شہزادے نے جھٹ سُرمۂ زُحل آنکھوں میں لگایا، اطمینان سے کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور جلّاد کے سامنے ٹہلتا ہوا نکل گیا۔

پہاڑ کے دامن میں بُڈّھا طالقُوس شہزادے کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے شہزادے کو زندہ سلامت دیکھ کر خُدا کا شکر ادا کیا۔ پھر اُسے ساتھ لے کر ایک تنگ و تاریک سُرنگ کی جانب لایا۔ شہزادے نے پوچھا۔ "اے طالقُوس یہ کون سی جگہ ہے؟" طالقُوس نے جواب دیا۔ "یہی وہ راہ ہے جو گہرے کنوئیں کی طرف جاتی ہے۔ تُم میرے پیچھے پیچھے بے خوف ہو کر چلے آؤ۔"

شہزادہ طالقُوس نجُومی کے پیچھے پیچھے اِس اندھیری سُرنگ میں روانہ ہوا۔ سات دِن اور سات راتیں لگاتار دونوں چلتے رہے۔ آٹھویں روز روشنی کی کرنیں دِکھائی دیں۔ سامنے ہی ایک اُونچا پہاڑ تھا جس کی چوٹی آسمان کو چھوتی نظر آتی تھی۔ اِدھر اُدھر کہیں نکلنے کا راستہ نہ تھا۔ غور سے دیکھا تو پہاڑ کے درمیان ایک عالی شان دروازہ دِکھائی دیا۔ جب دونوں اِس دروازے کے قریب پہنچے تو وہیں وہ ہیبت ناک کُنواں نظر آیا جس کی گہرائی کا حال خُدا ہی کو معلوم ہوگا۔ اِس کنوئیں میں ایک دیو زنجیروں سے بندھا لٹکا ہوا تھا۔ آپ ہی آپ کبھی کنویں کی تہہ میں اُتر جاتا اور کبھی اوپر اٹھتا۔ ایک عجیب بات یہ معلوم ہوئی کہ جب دیو کُنویں کی تہہ سے اوپر کی جانب آتا تو کُنویں میں سے طرح طرح کی ایسی آوازیں سُنائی دیتیں کہ جو سنتا، جھُومنے لگتا۔

ابھی شہزادے اور طالقُوس کو کُنویں پر آئے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ

پہاڑ کے بے شمار غاروں میں سے سیاہ فام لوگ بر آمد ہونے شروع ہوئے۔ اُن سب کے جسموں پر لنگوٹیوں کے سوا کوئی لباس نہ تھا۔ جوں ہی کُنویں سے نغموں کی مست کر دینے والی آوازیں بُلند ہوتیں، یہ لوگ مزے میں آ کر ناچنے لگے۔ اُنھوں نے شہزادے اور طالقُوس کی طرف کوئی توجّہ نہ دی۔ یہ دونوں بھی تماشا دیکھنے میں مگن تھے۔

اِتنے میں کُنویں کی آوازیں اور تیز ہو گئیں۔ یکایک جوش میں آ کر کئی لنگوٹ بند سیاہ فام دھڑام دھڑام کنویں میں گِر گئے مگر اُسی وقت کُنویں والے دیو نے اُنھیں باہر نکال کر پھینک دیا۔ باہر آنے والوں کے ہاتھ پیر دوسرے لنگوٹ بند چُومتے تھے، جیسے وہ کوئی مقدّس ہستی ہوں۔

شہزادے نے طالقُوس سے پوچھا۔ "یہ کُنواں کیسا ہے؟ دیو، جو اس میں قید ہے کون ہے؟ اِس دیو کو کُنویں میں کِس نے قید کر رکھا ہے اور یہ آوازیں کہاں سے آتی ہیں؟"

طالقُوس نے کہا۔ "اے شہزادے، اب تک جتنے بھی طِلسم تُم نے فتح کیے ہیں، یہ طِلسم سب سے زیادہ خطرناک اور عجیب و غریب ہے۔ اپنی بعض مجبوریوں کی بنا پر میں تُمھیں اِس کے بارے میں تفصیل سے نہیں بتا سکتا۔ آگے چل کر تمھیں خود ہی پتا چل جائے گا۔ صرف اِتنا سُن لو کہ تمھیں اگلا فرمان لینے کے لیے اِس خوف ناک کنویں کے اندر اُترنا ہو گا۔ اب میں ایک منتر تمھیں بتاتا ہوں۔ تین دِن اور تین راتیں متواتر اِس منتر کو پڑھنا ہو گا۔ چوتھے روز کنویں میں سے آواز آئے گی کہ اے منتر پڑھنے والے، اب تُجھے کنویں میں اُترنے کی اجازت ہے۔ جب تین بار برابر یہی آواز سُنائی دے، تب تم کنویں کی منڈیر پر جانا۔ دیو اُسی وقت اوپر آ جائے گا۔ تُم اُچھل کر اُس کے کندھے پر چڑھ جانا۔ دیو تمھیں ایک تاریک مکان میں پہنچا دے گا۔ یہ شمع اپنے ساتھ لے جاؤ۔ جوں ہی اِس پر پھونک مارو گے، یہ روشن ہو جائے گی۔ اِس مکان کے اندر سینکڑوں لنگوٹ بند فقیر نظر آئیں

گے اور ہر فقیر کے چہرے پر لمبی سی داڑھی ہوگی۔ اُن ہی میں ایک فقیر سر پر تاج رکھے ایک تخت پر بیٹھا ہوگا۔ تُم لوگ بے دھڑک اِن فقیروں کے پاس جاکر یہ شمع انہیں دِکھانا۔ وہ سب مل کر ایک زبردست نعرہ ماریں گے۔ اِس مکان میں جو قندیلیں اور فانُوس بجا بجا دیواروں اور چھتوں پر لٹکے ہوں گے، وہ اِس نعرے کی آواز سے خود بخود جَل اُٹھیں گے۔ اِس کے بعد وہاں گانا بجانا شروع ہوگا۔ اِس گانے کے اثر سے تمام فقیر مست ہو کر ناچنے اور تھرکنے لگیں گے۔ اِس وقت اُن سب کی آنکھیں آگ کے انگاروں کی مانند دہکنے لگیں گی۔ بس اِسی حالت میں اِن فقیروں کا بادشاہ تمہارے پاس آئے گا اور پوچھے گا کہ کس مطلب کے لیے یہاں آئے ہو؟ تم کہنا کہ میں فرمان لینے آیا ہوں۔ وہ اُسی وقت فرمان لکھ کر تمہارے حوالے کرے گا۔ اِس کے بعد تُم پر بھی مستی چھا جائے گی اور تم ناچتے ناچتے بے ہوش ہو جاؤ گے۔ پھر جب ہوش آئے گا تو اپنے آپ کو وہیں

پاؤگے، جہاں سے روانہ ہوئے تھے۔"

شہزادے نے اِن ہدایات پر پورا پورا عمل کیا اور جب فقیروں کے بادشاہ سے فرمان حاصل کر لیا تو گانا سُن کر خود بھی ناچنے لگا۔ اتنا ناچا کہ آخر کار بے ہوش ہو کر گِر گیا۔ آنکھ کھُلی تو اپنے آپ کو ایک پُر فضا باغ میں پڑے پایا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہے کہ سامنے سے اقبال شاہ چلا آتا ہے۔ اُس نے آتے ہی شہزادے کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور اِس کامیابی پر مبارک باد پیش کی کہ طِلسم کا پہلا مرحلہ بخیر و خوبی ختم ہوا۔ اِس کے بعد اپنے ایک سردار کے ذریعے شمالی حِصار کے حاکم عادل شاہ کو پیغام بھیجا کہ ہماری اِطاعت قبول کرو ورنہ جنگ کے لیے تیّار ہو جاؤ۔ عادل شاہ نے جب سُنا کہ تین حاکموں کے فرمان اقبال شاہ کو مل چُکے ہیں تو بہت گھبرایا۔ اُسی وقت اپنے وزیر کو اقبال شاہ کے استقبال کے لیے روانہ کیا۔ دوسرے روز خود عادل شاہ آیا اور اقبال شاہ کے لشکر کو اپنے شہر

لے گیا۔ سات دِن تک خُوب جشن ہوئے۔ آخر آٹھویں روز اقبال شاہ نے اُس سے حِصارِ آبی (پانی کی چار دیواری) میں جانے کی تدبیر دریافت کی۔

عادل شاہ نے کہا کہ وہاں تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ پہلا راستہ خُشکی کا ہے، جس سے دو برس کے عرصے میں وہاں پہنچنا نصیب ہو گا۔ دوسرا راستہ دریا میں سے ہے۔ اگر طوفان نہ آجائیں تو چالیس دِن کے بعد وہاں آسانی سے پہنچا جا سکتا ہے۔

اقبال شاہ نے شہزادے کے مشورے سے طے کیا کہ دریا کا راستہ ہی مناسب رہے گا۔ اتنے میں عادل شاہ کے وزیر ملک ارمن نے آن کر سلام کیا اور کہنے لگا کہ اگر حضور اجازت دیں تو میں کُچھ عرض کروں؟ شہزادے نے اجازت دی۔ تب ملک ارمن نے یوں کہا:

"جہاں پناہ، ہمارے ملک سے دو منزل تک دریا کے اندر آپ کو کوئی

خطرہ نہ ہوگا لیکن جب کشتیاں اِس حد سے آگے نکلیں گی تو ایک زبردست طُوفان ہوا کا نمُودار ہوگا جو آپ کی کشتیوں کو آناً فاناً وہیں لے جا کر پھینک دے گا جہاں سے کشتیاں چلیں گی۔ فرض کیجیے کہ کوئی کشتی اِس طوفان سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہو بھی جائے تب بھی کُچھ دور جا کر اُس کے پرخچے اُڑ جائیں گے۔ آج تک کوئی بھی دریا پار کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔"

مَلِک ارمن کی یہ بات سُن کر اقبال شاہ اور شہزادہ اسماعیل فکر مند ہوئے لیکن اُنہیں ہر صورت میں حِصارِ آبی کے حاکم تک پہنچنا تھا اور طالقُوس کے کہنے کے مطابق یہ اِس طِلسم کی سب سے مُشکل اور خطرناک مُہم تھی۔

جزیرہ انارستان میں عادل شاہ نے اِس مہم کے لیے کشتیاں جمع کر دی تھیں۔ دو روز بعد عادل شاہ سے رُخصت ہو کر کشتیوں میں سوار ہوئے اور دریا کا سفر شروع ہو گیا۔ دو دِن تو سفر خیریت سے کٹ گیا، لیکن

تیسرے روز وہی طوفان آیا جس کا ذکر مَلِک ارمن نے کیا تھا۔ اِس طوفان نے کشتیوں کا رُخ موڑ کر پھر اُنہیں جزیرہ انارستان تک پہنچا دیا۔ تین مرتبہ سفر شروع ہوا اور تینوں مرتبہ طوفان نے اُنہیں وہیں پہنچا دیا جہاں سے چلے تھے۔ چوتھے روز رات کے وقت اقبال شاہ نے اپنے مُرشد کی روح کو طلب کیا اور روح سے ہدایت پا کر صُبح کو شہزادہ اسماعیل کے خیمے میں گیا۔ شہزادے نے پوچھا کہ اب کہو، کیا کہتے ہو؟ یہ طوفان تو ہمیں کبھی منزلِ مقصود پر پہنچنے نہ دے گا۔ اقبال شاہ نے کہا کہ اے شہزادے، آج رات میں تمہارے ساتھ چلوں گا اور اپنے سامنے تمہیں سفر پر روانہ کروں گا۔ میرے مُرشد کی روح نے ایک اِسم بتایا ہے۔ دِن بھر تُم اِس اِسم کو پڑھو۔ پھر سورج غروب ہونے کے بعد سبز لباس پہنو اور سر پر سفید ٹوپی اوڑھو۔ اپنے سارے بدن پر خوش بُو بھی لگانا۔ اِس کے بعد خُدا کی قدرت کا تماشا دیکھنا۔

شہزادے نے اِن تمام باتوں پر عمل کیا۔ رات کے وقت اقبال شاہ اُسے دریا کے کنارے پر لایا۔ جس وقت چاند آسمان کے عین درمیان میں آیا، شہزادہ کشتی میں سوار ہونے کے ارادے سے آگے بڑھا۔ مگر اقبال شاہ نے اُسے روک دیا۔ جیب سے ایک ڈبیا نکالی۔ اُس میں سے سبز رنگ کے کسی نا معلوم روغن کے تین چار قطرے دریا میں ڈالے۔ اِس عمل کے ساتھ ہی دریا کے پانی میں جوش پیدا ہوا۔ ایک گھڑی بعد چھوٹی سی ایک کشتی دریا کے اندر سے نکلی۔ اس میں تین ملّاح سوار تھے۔ ملّاحوں نے اقبال شاہ کو سلام کیا۔ اُس نے ملّاحوں کے سلام کا جواب دے کر شہزادے سے کہا:

"اب آپ جلدی سے کشتی پر سوار ہو جائیے۔ جہاں یہ ملّاح اُتاریں، وہیں اُتر جائیے گا۔ یہ ایک خط بھی آپ کو دیتا ہوں۔ ایک قاصد آپ کے پاس آئے گا۔ یہ خط اُسے دے کر جواب کا انتظار کیجیے گا۔ تھوڑی دیر بعد ایک

شخص نہایت خوب صورت سُرخ گھوڑا آپ کی سواری کے لیے لائے گا۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو جائیے گا۔ گھوڑا آپ کو ایک فقیر سبز پوش کے پاس پہنچا دے گا۔ فقیر آپ سے آنے کا مقصد پُوچھے گا۔ کہنا کہ میں یہاں طِلسم سرطان کی لَوح ڈھونڈنے آیا ہوں۔ آئندہ جو وہ فقیر کہے گا اُس پر عمل کیجئے گا۔"

شہزادہ کشتی پر سوار ہوا۔ وہ کشتی پانی پر اتنی تیز چلتی تھی جیسے ہوا میں اُڑ رہی ہو۔ پلک جھپکتے میں ملّاحوں نے شہزادے کو ایک خوب صورت جزیرے میں اُتار دیا۔ تھوڑی دیر بعد اُدھر ایک شخص آیا اور شہزادے کے قریب آن کر کہنے لگا:

"لائیے وہ خط جو اقبال شاہ نے آپ کو دیا ہے۔"

شہزادے نے خط اُس کے حوالے کیا۔ وہ شخص لے کر چلا گیا۔ ایک گھڑی بعد دُور سے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز کان میں آئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ سُرخ

رنگ کا ایک شاندار گھوڑا دوڑتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ دوسرے گھوڑے پر ایک اور شخص سوار ہے۔ شہزادے کے پاس پہنچ کر دونوں گھوڑے رُک گئے۔ گھڑسوار نے اُتر کر شہزادے کو سلام کیا اور کہا :

"حضور، سواری حاضر ہے۔ تشریف لے چلیے۔"

شہزادہ کُچھ کہے بغیر سُرخ گھوڑے پر سوار ہوا اور فقیر سبز پوش کی خدمت میں پہنچا۔ اُس نے شہزادے کو غور سے دیکھا پھر کہنے لگا :

"اے نوجوان، تُم یہاں کس طریقے سے آئے ؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "پہلے کُچھ سفر کشتی میں کیا، پھر اِس سُرخ گھوڑے پر بیٹھ کر آیا۔"

یہ سُن کر فقیر سبز پوش نے زور سے قہقہہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ شہزادے کی سمجھ میں نہ آیا کہ آخر اِس میں ہنسنے والی بات کون سی تھی،

تاہم فقیر کا ادب کیا اور خاموش رہا۔ اتنے میں فقیر سبز پوش کے خادموں نے دستر خوان بچھایا اور طرح طرح کے لذیذ کھانے، میوے اور پھل شہزادے کے سامنے رکھے۔ جب کھانے سے فارغ ہونے تو شہزادے نے پھر اپنا مطلب بیان کیا۔ فقیر نے پوچھا:

"اے نوجوان، یہ بتاؤ کہ یہاں کس طریقے سے آئے؟"

شہزادے نے پھر وہی جواب دیا جو پہلے دیا تھا، یعنی کُچھ سفر کشتی میں کیا، پھر سُرخ گھوڑے پر بیٹھ کر آیا۔ اِس دفعہ فقیر سبز پوش پہلے سے بھی زیادہ ہنسا۔ شہزادے نے دِل میں کہا کہ اقبال شاہ نے مُجھے عجیب بے ہودہ شخص کے پاس بھیجا ہے جو ذرا سی بات پر یوں بتّیسی نکال دیتا ہے جیسے میں نے کوئی لطیفہ کہا ہو۔

تیسری مرتبہ پھر شہزادے نے فقیر سے لوحِ سرطان طلب کی۔ اُس نے وہی سوال کیا۔ اس دفعہ شہزادے نے سخت بیزار ہو کر جواب دیا:

"جناب، مُجھے اللہ تعالیٰ نے یہاں بھیجا ہے۔"

یہ سنتے ہی فقیر نے خوش ہو کر شہزادے کو سینے سے لگا لیا اور کہا۔ "بس میں یہی سُننا چاہتا تھا۔ ہر کام اصل میں اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ یہ کشتی اور گھوڑا سب اُسی کی طرف سے ہے۔"

اِس کے بعد اُس نے اپنی انگلی سے زمرّد کی ایک قیمتی انگوٹھی اُتار کر شہزادے کو دیتے ہوئے کہا:

"وہ سامنے ایک غار دِکھائی دیتا ہے، اس میں داخل ہو جاؤ۔ شام کے وقت بزّازوں کے قصبے میں پہنچو گے۔ اُس وقت بزّازوں کے سردار کی بیٹی کی شادی ہو گی۔ تُم بھی ایک گوشے میں چُپ چاپ بیٹھ جانا اور محفل کا تماشا دیکھنا۔ دُلہن کے رشتے دار نکاح کے کاغذ پر گواہ کی مُہر لگوانے کے لیے ہر مہمان کے پاس آئیں گے۔ جب تمہارے قریب آئیں تو تُم کہنا کہ میرے پاس مُہر موجود نہیں۔ وہ کہیں گے، یہ زمرّد کی انگوٹھی جو تمہاری

اُنگلی میں ہے، آخر کِس کام آئے گی۔

تُم جواب دینا کہ اِس انگوٹھی کی مُہر کاغذ پر نہیں آئے گی۔ وہ اصرار کریں گے کہ نہیں، اِسی سے مُہر لگاؤ۔ تب تم انگوٹھی اُن کو دے دینا کہ خُود مُہر لگا لو۔ وہ لاکھ کوشش کریں گے لیکن مُہر نہ لگے گی۔ یہ دیکھ کر نکاح پڑھانے والا قاضی کہے گا کہ اے لوگو، اگر اِس نکاح کے کاغذ پر محفل میں شریک ایک مہمان کی بھی مُہر نہ ہوگی تو نکاح نہیں ہوگا۔

یہ سُن کر دُلہن کا باپ رنجیدہ ہوگا۔ تُم اُس سے کہنا کہ اگر دریائی کاغذ پر نکاح نامہ لکھا جائے تو میں اپنی مُہر لگا دوں گا۔ وہ کہیں گے ہمارے قصبے میں کسی کے پاس دریائی کاغذ موجود نہیں۔ تُم کہنا کہ اِس کاغذ کا رنگ نیلا ہے۔ کاغذ بیچنے والے کے قصبے میں جا کر تلاش کرو۔ شاید مل جائے۔ یہ سُن کر وہ کاغذ ڈھونڈنے جائیں گے، مگر کاغذ کہیں سے نہ ملے گا۔ تم ان سے کہنا کہ مُجھے کاغذ بیچنے والوں کے پاس لے چلو۔ میں خود ڈھونڈھ لوں گا۔ وہ تمہیں

ساتھ لے جائیں گے۔ کاغذفروشوں کے قصبے میں ایک دُکان پر تمہیں ایک دس بارہ سال کا لڑکا بیٹھا دِکھائی دے گا جس کے چہرے کا رنگ سبز ہو گا۔ اُس لڑکے کا نام پوچھنا۔ اگر جواب میں کہے کہ میرا نام قرطاس ہے تو اُس سے کہنا کہ میاں لڑکے، مُجھے دریائی کاغذ کی تلاش ہے۔ اگر تمہاری دُکان میں ہو تو دے دو۔ وہ لڑکا نیلے رنگ کے کاغذوں کا ایک دستہ تمہارے آگے دھر دے گا۔

تم باری باری ہر کاغذ پر زمرّد کی اس انگوٹھی سے مُہر لگانے کی کوشش کرنا۔ جس کاغذ پر مُہر لگ جائے وہی کاغذ دریائی ہو گا۔ لڑکے سے لے کر اُسے اپنے پاس حفاظت سے رکھنا اور تدبیر کر کے کوئی دوسرا کاغذ محفل والوں کو دینا۔ جب وہ اِس پر نکاح نامہ لکھ لیں تب تم اپنی مُہر اُس پر لگا دینا۔ یقین ہے کہ دریائی کاغذ کی برکت سے نکاح نامے پر مُہر لگ جائے گی۔

بزازاِس کام کے سِلسلے میں تمہاری دعوت کریں گے اور طرح طرح کے تحفے تمہیں دینے کے لیے لائیں گے۔ تُم کہنا کہ یہ چیزیں میرے کام کی نہیں۔ ہاں جو میں کہوں، وہ لاکر دو۔ وہ پوچھیں گے کیا چیز درکار ہے؟ تم کہنا کہ اِس قصبے میں ڈیڑھ سو برس کی ایک بُڑھیا دیتی ہے۔ بدرہ اُس کا نام ہے۔ اُس کے قبضے میں دو ہزار برس پرانا کپڑے کا ایک ٹکڑا ہے۔ اُس کپڑے پر چند طِلسمی حروف اور نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ جس قیمت پر بھی وہ کپڑا ملے، تُم اُس بُڑھیا سے خرید کرلاؤاور مُجھے دو۔

غرض تمام بزّاز مل کر بدرہ کے پاس جائیں گے اور اس سے کپڑے کی قیمت پُوچھیں گے۔ بدرہ کہے گی کہ اگر تمہارا سردار اپنے بیٹے سے میری بیٹی کی شادی کرنا منظُور کرے تو میں وہ مقدّس کپڑا اپنی بیٹی کے جہیز میں دے لیں گی۔ بزّاز تمہاری خاطر سے بَدرہ کی یہ شرط بھی مان لیں گے اور بَدرہ سے وہ کپڑا لے کر تمہارے حوالے کردیں گے۔

اس کے بعد تم درزیوں کے قصبے میں جانا۔ ادریس نام کے درزی کو ڈھونڈ کر یہ کپڑا اُس کے حوالے کرنا اور کہنا کہ راتوں رات اِس کا کُرتا سی دے اور مُنہ مانگی اُجرت وصول کر۔ ادریس درزی کہے گا کہ اِس شرط پر کُرتا سیوں گا کہ میں جس مُصیبت میں بتلا ہوں، اِس سے مُجھے نجات دِلاؤ اور میری مُشکل آسان کرنے کا وعدہ کرو۔ تُم کہنا، مُجھے یہ شرط منظور ہے۔ اپنی مشکل بیان کر۔ ادریس یہ سُن کر بہت خوش ہو گا اور راتوں رات محنت کر کے اِس کپڑے سے تمہارے لیے کُرتا سی دے گا۔ جب تُم یہ کُرتا پہنو گے تب تُم میں لوحِ سرطان حاصل کرنے کی لیاقت اور ہمّت پیدا ہو گی۔ کیوں کہ وہ کپڑا حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیاہ نے خاص اپنے لیے تیّار کرایا تھا اور اِسے جامۂ آصفی کہتے ہیں۔ اِس کے بعد ادریس تُم سے اپنی مُشکل حل کرنے کے لیے کہے گا۔ بس تُم اُسے میرے پاس لے آنا۔

شہزادے نے اِن تمام باتوں پر عمل کیا۔ بزّازوں نے اُسے بَدرہ سے جامۂ آصفی لے کر دیا۔ شہزادہ سیدھا درزیوں کے قصبے میں پہنچا۔ ادریس درزی سے ملا۔ اُس نے وہی شرط پیش کی۔ شہزادے نے اُس کی مُشکل آسان کرنے کا وعدہ کیا۔ تب ادریس درزی نے رات بھر بیٹھ کر شہزادے کا کُرتا سِیا اور اگلے روز شہزادے کے پُوچھنے پر یوں اپنی داستان شروع کی :

ادیس درزی کی کہانی

اے شہزادے، تُم یہ سُن کر حیران ہو گے کہ میں درزی نہیں بلکہ مُلکِ نیم روز کے وزیر کا بیٹا ہوں۔ ایک روز گھر سے شکار کے لیے نکلا اور راستہ بھُول کر ایک پہاڑ کے قریب جا نکلا۔ میرے ساتھ دو تین ملازم بھی تھے۔ اُن میں سے ایک نے بتایا کہ اِس پہاڑ کا نام کوہِ تماشا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جو شخص اس پہاڑ پر چڑھتا ہے، اُسے لَوٹ کر واپس آنا نصیب نہیں ہوتا۔ خُدا جانے کہاں غائب ہو جاتا ہے۔ میں نے کہا، یہ

سب لوگوں کے بنائے ہوئے فضول قصّے ہیں جن میں کوئی سچّائی نہیں۔ لیکن ملازموں نے قسمیں کھا کر یقین دِلایا کہ نہیں، ایسا ہی ہے۔ یہ سُن کر میرے دِل میں اِشتیاق پیدا ہوا۔ آدھی رات کو جب میرے ملازم جنگل میں پڑے بے خبر سو رہے تھے میں دبے پاؤں اُٹھ کر اُس پہاڑ کی طرف گیا۔ بالکل ایسا ہی پہاڑ تھا جیسے عام طور پر پہاڑ ہوا کرتے ہیں۔ مُجھے اِس میں کوئی خاص بات محسوس نہ ہوئی۔ پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنے میں بھی کوئی دشواری نہ تھی۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ پتھرّوں کے سوا کُچھ بھی نظر نہ آیا۔ دم لینے کو وہیں بیٹھ گیا اور دِل میں کہا کہ ملازموں نے خواہ مخواہ ایک مَن گھڑت کہانی سُنا کر مُجھے بے وقوف بنایا ہے۔ صُبح اِن کم بختوں کی ایسی مرمّت کروں گا کہ چھٹی کا دُودھ یاد آجائے گا۔

ابھی اِن ہی خیالوں میں گُم تھا کہ آہستہ آہستہ بادلوں میں پچھلے پہر کے چاند نے جھانکا۔ چاند کی زرد مدّھم چاندنی میں کُچھ دور ایک سفید سفید چار دیواری

سی دِکھائی دی۔ میں بے اختیّار اُٹھ کر اُس چار دیواری کی طرف چلا۔ نزدیک گیا تو پتا چلا یہ ایک باغ کی دیوار ہے۔ یکایک باغ کے اندر سے کسی عورت کے گانے کی ایسی آواز آئی کہ میں تڑپ گیا۔ دیوانوں کی طرح باغ میں جانے کا راستہ تلاش کرنے لگا۔ لیکن باغ کا دروازہ نہ پایا۔ آخر مایوس ہو کر وہیں دیوار تلے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک بڑا سا سُرخ آم قریب آن کر گِرا۔ میں نے اُٹھا کر کھایا۔ بے انتہا لذیذ اور میٹھا تھا۔ میں نے پُکار کر کہا :

"اے آم پھینکنے والے، یہ مہمان نوازی کا کون سا طریقہ ہے اور کہاں کی تہذیب ہے؟ میں اتنی مُشکل سے یہاں تک پہنچا ہوں اور اب باغ میں جانے کا راستہ ہی نہیں ملتا۔"

میری یہ فریاد سُن کر باغ کے اندر سے قہقہوں کی آوازیں آئیں۔ اِتنے میں کسی نے ایک جھولا سا باغ کی دیوار پر لٹکایا۔ پھر آواز آئی :

"اے مہمان، اس جھُولے میں بیٹھ جا۔ ہم تُجھے باغ میں کھینچ لیں گے۔

جلدی سے بیٹھیے۔ دیر مت کر۔"

میں سوچے سمجھے بغیر جھُولے میں بیٹھ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ باغ کی دیوار پر چند کالی کلوٹی حبشی عورتیں جھُولے کر رسّی تھامے کھڑی ہیں۔ خیر، اُنھوں نے مُجھے باغ کے اندر پہنچا دیا۔ اے شہزادے، اُس باغ کی کیفیّت کیا بیان کروں! یوں سمجھو جیسے بہشت میں پہنچ گیا۔ درمیان میں ایک عالی شان بارہ دری یاقوت اور نیلم کی بنی نظر آئی۔ اس میں بہت سی پریاں موجود تھیں۔ معلوم ہوتا تھا جیسے پریاں نہیں، بہشت کی حوریں ہیں۔ لیکن جب انھیں قریب سے جا کر دیکھا تو پتا چلا کہ پریاں نہیں مُلک مُلک کی شہزادیاں جمع ہیں۔ اُن میں ایک شہزادی رُوم کی تھی، دوسری ایران کی اور تیسری ہندوستان کی۔ اُنھوں نے بھی مُجھے دیکھا تو خادماؤں کو حُکم دیا کہ اِس نوجوان کو اندر آنے کی اجازت ہے۔ میں وہاں پہنچا۔ سب بہت عزّت سے پیش آئیں اور طرح طرح کے کھانوں، شربتوں اور پھلوں سے

میری تواضع کی۔ اُن میں ہندی مُجھے اچھّی لگی۔ اُس نے کہا:

"میرا نام راج کماری چندر ماں ہے اور میں راجہ رُوپ نگر کی بیٹی ہوں۔ میرے باپ کا نام اُتّم چند ہے۔ ہمارا مُلک سراندیپ کی سرحد میں دریائے شور کے کنارے آباد ہے۔ اگر تُو کسی طرح روپ نگر پہنچ جائے تو شاید میرا باپ تُجھے پسند کرے اور میری شادی تُجھ سے کر دے۔"

میں نے راج کماری چندر ماں سے پُوچھا کہ رُوپ نگر یہاں سے کتنی دور ہے؟ اُس نے ہنس کر جواب دیا کہ خشکی کے راستے جانا چاہو تو پچاس برس کی راہ ہے اور ہوا پر جاؤ تو ایک برس میں وہاں پہنچو گے۔ یہ سُن کر میں مارے رنج کے رونے لگا۔ راج کماری نے مُجھے شربت کا ایک گلاس دیا اور کہا کہ روؤ مت۔ عن قریب ایک شہزادہ آئے گا اور وہ تمہاری مُشکل آسان کرے گا۔ اُس شربت کے پیتے ہی میں بے خبر سو گیا۔

صُبح کو جس وقت آنکھ کھُلی، نہ وہ باغ تھا نہ وہ مُلک مُلک کی شہزادیاں۔ خود کو

ایک ہول ناک صحرا میں پایا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی، سوائے کانٹے والی جھاڑیوں اور ریتلے ٹیلوں کے کوئی شے نہ تھی۔ روتا پیٹتا، بھوکا پیاسا ایک طرف چل پڑا۔ ہزار خرابیوں اور لاکھ دشواریوں کے بعد ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ رات ایک غار میں بسر کی۔

صُبح جوں توں کر کے وہاں سے روانہ ہوا اور شام کے رقت گِرتا پڑتا موت سے بد تر حالت میں ایک بستی کے قریب آیا۔ یہاں ایک فقیر کے تکیے میں رات کاٹی۔ بستی کے باہر ایک کنواں بھی تھا۔ صُبح کے وقت اُس کنویں پر عورتوں کا ہجوم ہوا۔ یہ عورتیں گھڑے اپنے سروں پر رکھے پانی بھرنے آئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ایک عورت چہرے پر باریک جالی کا نقاب ڈالے آئی۔ میں اُسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔ وہ چندرماں تھی۔ اُسے دیکھتے ہی میں حیرت کے مارے دم بخود رہ گیا۔ اُس نے کبھی مُجھے دیکھا مگر پہچانا نہیں۔ اُس نے اپنے گھڑے میں پانی بھرا اور چلی گئی۔ میں بیٹھا کا بیٹھا رہ

گیا۔

اِسی طرح سات دِن گُزر گئے۔ فقیر کا تکیہ تھا۔ کوئی ترس کھا کر روٹی کا ٹکڑا ڈال دیتا اور مٹّی کے پیالے میں پانی ڈال دیتا۔ مُجھے اپنے تن بدن کا کُچھ ہوش نہ تھا۔ منگل کے روز چندرماں بھر پانی بھرنے کُنویں پر آئی۔ لیکن مُجھے نہ پہچانا اور چلی گئی۔

اے شہزادے کہاں تک اپنی یہ داستان بیان کروں۔ چھ مہینے اِسی طرح گُزر گئے۔ ہر منگل کی صُبح وہ کنویں پر آتی اور مَیں اُس کی صُورت دیکھ لیتا۔

ایک منگل کو جب میں کنویں پر گیا تو سارا دِن انتظار کرتا رہا۔ وہ نہ آئی۔ میں نے خیال کیا شاید کسی خاص وجہ سے آنا نہیں ہوا۔ لیکن جب پانچ چھ ہفتے گزر گئے اور اُس کی پرچھائیں تک دِکھائی نہ دی تو میں سمجھا کہ ضرور دال میں کُچھ کالا ہے۔ آخر میں نے فقیر سے التجا کی کہ وہ اِس راز سے پردہ اُٹھائے۔ پہلے تو فقیر نے مُجھے ڈانٹا ڈپٹا۔ مگر میرا رونا دھونا دیکھ کر اُسے ترس آیا

اور کہنے لگا :

"اے نادان، کیوں وقت ضائع کرتا ہے۔ تیرا اُس کا کیا میل۔ وہ ایک بڑے راجا کی بیٹی اور تو بھوکا ننگا۔ نہ جانے کون ہے، کہاں سے آیا ہے۔ اُس کا خیال چھوڑ دے۔ اِس کا باپ راجا اُتّم چند بڑا غیرت مند ہے۔ اگر اُس نے سُن لیا کہ تُو اُس کی بیٹی سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو تُجھے ایک آن میں مروا دے گا۔ راجا کو عِلمِ نجُوم سے پتا چل گیا ہے کہ چندرماں کی شادی کسی غیر قوم کے شخص سے ہوگی، اِس لیے اُس نے کنویں پر اُس کا آنا جانا بند کر دیا ہے۔ اب وہ یہاں کبھی نہ آئے گی۔"

فقیر کی یہ باتیں سُن کر میں واقعی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ اُٹھ کر کنویں کی طرف دوڑا اور اپنے آپ کو دھڑام سے کُنویں میں گرا دیا۔ جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو ایک مکان میں پایا۔ وہاں فقیر سبز پوش سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے مُجھے کپڑے سینے کا ہُنر سکھایا اور تمہارے آنے اور

میری مُشکل کے حل ہونے کی خوش خبری دی۔ اب ایک برس پانچ مہینے سے اِس قصبے میں پڑا ہوں۔ خُدا کے لیے میرے حال پر رحم کرو اور کسی طرح ایک بار چندرماں سے ملاقات کرادو۔"

شہزادہ اسماعیل ادریس درزی کی داستان سُن کر حیرت میں آیا۔ آخر اسے اپنے ساتھ لے کر فقیر سبز پوش کی خدمت میں روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچے تو فقیر نے ادریس سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کس طرح سے ہمارے پاس پہنچا؟

ادریس نے شہزادے کے اشارے پر جواب دیا کہ خُدا نے مُجھے یہاں پہنچایا ہے۔ یہ سُن کر فقیر سبز پوش نے خوش ہو کر ادریس کو گلے لگا لیا۔

تین روز تک دونوں کو فقیر نے اپنا مہمان بنائے رکھا۔ چوتھے روز شہزادے کو ایک شیشی دی جس میں سبز رنگ کا کوئی روغن بھرا ہوا تھا۔ پھر کہنے لگا:

"وہ سامنے ایک پہاڑ نظر آتا ہے۔ اُس کے پیچھے ایک تالاب ہے۔ اُس تالاب کے کنارے جا کر اسمِ اعظم پڑھو۔ جب دس ہزار مرتبہ پڑھ چُکو تو اپنے دائیں ہاتھ کی پہلی اُنگلی سے پانی پر لکیر پھیر کر کہنا کہ اے پانی، تُو نے جس طرح خُدا کے حُکم سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو دریائے نیل میں سے راستہ دیا تھا اِسی طرح مُجھے بھی خُدا کے حُکم سے راستہ دے۔ یہ کلمہ پورا ہوتے ہی تالاب کا پانی جوش کھا کر دو حصّوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ تُم پانی کے اِس شگاف میں ایک مکان دیکھو گے۔ اِس کا دروازہ کھول کر اندر چلے جانا۔

مکان کے صحن میں ایک درخت بہت اونچا ہو گا۔ اُس درخت کے نیچے بیٹھ کر پانچ سو مرتبہ اسمِ اعظم پڑھنا۔ درخت بھی درمیان سے پھٹ جائے گا۔ اُس کے اندر سے ایک شخص سفید کپڑے پہنے باہر نکلے گا۔ اُس شخص سے کہنا کہ مُجھے لَوحِ سرطان کی ضرورت ہے۔ وہ شخص تمہارے سامنے

بہت سی تختیاں نکال کر رکھ دے گا۔ اُس میں سے وہ تختی سُن لینا جس پر سبز رنگ سے کُچھ لکھا ہو گا۔ اِس کے بعد وہ شخص باقی تختیاں سمیٹ کر پھر درخت میں داخل ہو جائے گا۔ تُم بھی اُس مکان سے باہر آ جانا۔ اِس کے بعد یہ سبز روشن، جو شیشی میں بھر کر میں نے تمہیں دیا ہے، تالاب کے پانی میں ملا دینا۔ فوراً پانی آپس میں مل جائے گا۔ پھر لَوح سمیت میرے پاس آنا۔ اِس کے بعد میں تمہیں آگے روانہ کروں گا۔"

جس وقت شہزادہ اِن تدبیروں پر عمل کر کے، لَوحِ سرطان حاصل کر کے فقیر سبز پوش کے پاس واپس آیا تو اُس نے کہا کہ اب سب سے پہلے تُم مُلک سراندیپ جا کر ادریس کی مُشکل آسان کرو جس کا وعدہ تُم نے اُس سے کیا ہے۔

شہزادے نے کہا کہ مُجھے ادریس کا قصّہ سُن کر بڑی حیرت ہے۔ کہاں مُلک نیم روز اور کہاں مُلک سراندیپ کا شہر رُوپ نگر۔ آخر اتنی دُور سے راج

کُماری چندر ماں کیسے آتی تھی؟

یہ سُن کر فقیر سبز پوش نے ہنس کر جواب دیا:

"بات دراصل یہ ہے کہ کوہِ تماشا میں رُوم، ایران، اور ہندوستان کی جو شہزادیاں ادریس کو نظر آئی تھیں، وہ اصل شہزادیاں نہ تھیں۔ کوہِ قاف میں ایک مُلک ہے جسے پردۂ شُعبدہ کہتے ہیں۔ وہاں کا دارالسّلطنت نگار خانہ کہلاتا ہے۔ اِس نگار خانے کی پریاں اِس باغ میں آتی ہیں، اور دیکھنے والوں کو حیران کرتی ہیں۔ ادریس کو جب انھوں نے چندر ماں سے شادی کرنے کا خواہش مند پایا، اُسے بے ہوش کر کے آناً فاناً راجا اُتّم چند کے مُلک روپ نگر میں پہنچا دیا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک شخص اُسی سُرخ گھوڑے کو لے کر آیا جس پر پہلے شہزادے نے سواری کی تھی۔ اُس کے ساتھ ایک اونٹ بھی تھا۔ فقیر سبز پوش نے شہزادے سے کہا، "اِس گھوڑے پر بیٹھو اور

ادریس کو اونٹ پر سوار کرو۔ یہ جانور تمہیں دریائے محیط کے کنارے پر پہنچا دیں گے ۔ وہاں تمہاری ملاقات ایک سوداگر سے ہوگی جسے خواجہ ماہیار کہتے ہیں۔ تُم اُسے لَوحِ سرطان دکھا کر کہنا کہ اے خواجہ ماہیار، اگر تُو میرے کہنے کے مطابق عمل کرے تو میں تیرے بیٹے کو طِلسم سرطان سے نجات دِلا دوں گا۔ یہ سُن کر ماہیار دِل و جان سے تمہاری فرمان برداری قبول کرے گا۔ تُم اُس سے روپیہ لے کر لشکر بھرتی کرنا اور پھر رُوپ نگر پر حملہ کر دینا۔ اُمّید ہے اپنے مقصد میں کامیاب رہو گے۔

اونٹ اور گھوڑے نے بجلی کی رفتار سے شہزادے اور ادریس کو دریائے محیط کے کنارے پہنچا دیا۔ خواجہ ماہیار اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دریا کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ شہزادہ اُس سے ملا اور پوچھا کہ اے خواجہ، تُم پر کیا آفت آئی جو یہاں پڑے ہوئے ہو؟ اُس نے آنکھوں میں آنسو بھر کر جواب دیا :

"اے نوجوان، میرا حال مت پوچھو۔ جو مُصیبت مُجھ پر پڑی ہے خُدا دُشمن کو بھی اِس میں نہ ڈالے ۔ میرا اکلوتا جوان بیٹا جس کا نام بدر جہاں ہے، طوفان میں گُم ہوگیا ہے ۔ اب میں ایک مردِ غیب فقیر سبز پُوش کی بشارت سے اِس جوان کا انتظار کر رہا ہوں جو اگر میری مُشکل آسان کرے گا اور میرے پیارے بیٹے کو اِس طِلسم سے نجات دِلائے گا ۔"

شہزادے نے لَوحِ سر طان دِکھائی اور کہا اگر میری فرماں برداری کا اقرار کرو تو میں تمہارے لڑکے کو طِلسم کے پھندے سے آزاد کرا دوں گا۔ خواجہ نے شہزادے کے قدم چُومے اور سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا کہ حضور، میں دِل و جان سے آپ کا غُلام ہوں ۔ جو کہیئے کروں ۔ میرا سب کُچھ آپ کے حوالے ۔

شہزادے نے اُس کے لشکر کا جائزہ لیا۔ ایک ہزار پانچ سو سوار اور تین ہزار پیادے تھے ۔ ظاہر ہے اتنی چھوٹی فوج سے اتنے بڑے مُلک پر حملہ

نہیں کیا جا سکتا تھا یہ سپاہی بھی خواجہ ماہیار سوداگر نے اپنے تجارتی مال کی حفاظت کے لیے ملازم رکھے تھے۔ شہزادے نے کُچھ دِن وہیں قیام کیا اور بیس ہزار سواروں اور چالیس ہزار پیادوں کا ایک زبردست لشکر تیّار کیا۔ اِس کے بعد تیزی سے روپ نگر کی جانب کُوچ کیا۔

لَوحِ سرطان کی برکت سے وہ راستہ جو ہوا کے زور پر ایک برس میں طے ہوتا تھا شہزادے نے زمین پر چل کر چھ ماہ میں طے کر لیا۔ روپ نگر کے نزدیک پہنچ کر راجا اُتّم چند کو پیغام بھیجا کہ دینِ اسلام قبول کر کے ہمارے بھائی بن جاؤ اور اپنی بیٹی چندرماں کی شادی نوجوان ادریس سے کر دو، ورنہ جنگ کے لیے تیّار ہو جاؤ۔

راجا اُتّم چند بھی بڑا بہادر تھا اور اِرد گِرد کے علاقوں پر اُس کا خاصا رُعب داب بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے کہلا بھیجا کہ تمہاری دونوں باتیں نا منظور ہیں۔ جی چاہے تو میدانِ جنگ میں آن کر دو دو ہاتھ کر لو۔ اِس کے ساتھ ہی راجا

کی فوج پرے باندھ باندھ کر میدان میں آ گئی۔

شہزادے نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کیں، راجا کی طرف سے بھیم سین اور اَرجن سنگھ سالار میدان میں آئے۔ ادریس نوجوان کا مُقابلہ بھیم سین سے اور شہزادہ اسماعیل کا مُقابلہ ارجن سنگھ سے ہوا۔ دیر تک تلوار چلی۔ آخر ادریس نے بھیم سین کو قتل کر دیا۔ اِدھر شہزادے نے کُشتی کے داؤ پیچ کر کے اَرجن کو پچھاڑا اور باندھ کر اپنے لشکر میں لے آیا۔ اتنے بڑے سپہ سالاروں کے یوں مارے جانے اور گرفتار ہونے سے راجا کی فوج میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی۔ اُلٹے قدموں شہر کی طرف بھاگی اور فصیل کے دروازے بند کر لیے۔ شہزادے کی فوجوں نے شہر کو چاروں طرف سے سے گھیر لیا۔

راجا اِس قسم کے معرکوں کے لیے پہلے ہی شہر میں سال دو سال بلکہ پانچ سال تک کے لیے اناج اور دوسری چیزوں کا ذخیرہ کیا کرتا تھا۔ وہ جانتا

تھا کہ دُشمن کہاں تک محاصرہ کیے رکھے گا۔ ایک نہ ایک دِن تنگ آ کر خود ہی جدِھر سے آیا ہے، لَوٹ جائے گا۔ لیکن خُدا کی شان دیکھو، جس روز سے شہزادے نے روپ نگر کو گھیرے میں لیا، اُسی روز سے شہر کے لوگوں کی بھُوک اِتنی بڑھی کہ ایک ہفتے کی خوراک کا ذخیرہ ایک دِن میں ہڑپ کر گئے اور پندرہ دِن میں چھ ماہ کی خوراک کھا گئے۔

یہ دیکھ کر راجا کے ہوش اُڑے، سمجھ گیا کہ اگر بھوک کی یہی حالت رہی تو پانچ سال کا ذخیرہ ایک ماہ اور چلے گا۔ اِس کے بعد ذلّت کے ساتھ دُشمن کے آگے ہتھیار ڈالنا پڑیں گے۔ اِس رسوائی سے بچنے کے لیے اُس نے اکیسویں روز ہی شہزادے کو پیغام بھیجا کہ ہمیں اِطاعت منظور ہے لیکن ہم دین اسلام قبول نہیں کریں گے۔ ویسے بھی تمہاری شریعت میں یہ حُکم موجود ہے کہ جو اِسلام قبول نہ کرے اُس سے جزیہ وصول کر لو۔ لہٰذا ہم بھی جزیہ ادا کرنے کے لیے تیّار ہیں۔ جزیہ لو اور محاصرہ اُٹھا کر یہاں سے

چلے جاؤ۔

شہزادے نے جواب دیا کہ بے شک تُم صحیح کہتے ہو۔ ہم زور یا جبر سے تمھیں مسلمان نہیں کر سکتے مگر جزیہ لینا یا نہ لینا ہماری مرضی پر ہے۔ ہم صرف اِسی قدر درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے بھائی ادریس کی شادی بیٹی راج کماری چندر ماں سے کر دو اور اِس معاملے میں بے شک اُس سے بھی مشورہ کر لو۔ اگر اُس کو ادریس سے شادی کرنے سے انکار ہو گا تو ہم اُسی وقت واپس چلے جائیں گے۔

یہ بات راجا کے دِل کو لگی۔ اُس نے اپنی بیٹی سے پُوچھا تو اُس نے کہا کہ دانائی اِسی میں ہے کہ شہزادے کی بات مان لی جائے۔ میں خوشی سے ادریس سے شادی کرنے کو تیّار ہوں۔ غرض راجا نے مجبور ہو کر بات مان لی اور ایک مبارک گھڑی میں ادریس کی شادی چندر ماں سے ہو گئی۔ شہزادے نے اُس کا نیا نام مَلِکہ ماہ لقا رکھا۔ اِس کے بعد شہزادے نے

شہر کا محاصرہ اُٹھا لیا۔ ادریس اور ماہ لقا کو ایک دستے کے ساتھ فقیر سبز پوش
کی خدمت میں روانہ کیا اور خود خواجہ ماہیار سوداگر کے بیٹے بدر جہاں کو طِلسم
سرطان کی قید سے آزاد کرانے کے لیے تیّار ہوا۔

نقاب پوش ملکہ

جس مقصد کے لیے شہزادے نے اتنی بڑی فوج جمع کی تھی، وہ مقصد اب پورا ہو چکا تھا، اس لیے فوج کی ضرورت نہ تھی۔ چناں چہ سب کو انعام و اکرام دے کر رُخصت کیا۔ اِس کے بعد دریا کنارے جا کر وہ اِسم پڑھنا شروع کیا جو فقیر سبز پوش نے لَوحِ سرطان کے جِن قمرائیل کو قابو میں کرنے کے لیے بنایا تھا۔

آدھی رات کے وقت یکایک دریا کے اندر سے خوش آواز ساز بجنے لگے۔

پھر گانا ہونے لگا۔ شہزادے نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ چاندنی کی مانند نہایت پاکیزہ روشنی دریا کی لہروں پر ناچتی ہوئی چلی آتی ہے۔ شہزادے نے اُسی روشنی میں لَوحِ سرطان کا معائنہ کیا۔ لکھا تھا:

"اے صاحبِ لَوح، جب تُم قمرائیل کو قابو میں کرنے کے لیے وظیفہ پڑھو گے تو چاندنی کی مانند روشن ایک کشتی دریا کی لہروں پر مچلتی ہوئی آئے گی۔ جُوں ہی یہ کشتی دکھائی دے، فوراً سُرمۂ زُحل آنکھوں میں لگا لینا۔ کشتی کنارے کے قریب آئے تو ایسی چھلانگ لگانا کہ سیدھا کشتی میں پہنچو۔ کشتی میں ایک کُرسی پر چھوٹا سا لڑکا بیٹھا ہوگا۔ تُم خاموشی سے کُرسی کی پشت پر جا کر کھڑے ہو جانا۔ کشتی پلک جھپکتے میں دریا کے اُس مقام سے گزرے گی جس مقام پر سوداگر کا لڑکا طوفان کی لپیٹ میں آیا تھا۔ اس وقت ضرورت پڑے تو پھر لَوح کو دیکھ لینا۔"

شہزادے نے دیکھا کہ کشتی میں ایک کرسی پر ایک لڑکا بیٹھا ہے۔ اس کے

گلے میں قندیل لٹکی تھی جس کے نور سے سارا دریا روشن ہو رہا تھا۔ لڑکے کے دائیں بائیں چند خوب صورت کنیزیں ہاتھوں میں طرح طرح کے ساز لیے کھڑی تھیں۔ وہ آواز بھی وہیں سے آئی تھی۔

شہزادے نے پوری قوّت سے چھلانگ لگائی اور کشتی پر پہنچ گیا۔ اُس وقت وہ لڑکا کُرسی سے اُٹھا اور کمان میں تیر جوڑ کر اُس جگہ مارا جہاں چند لمحے پہلے شہزادہ زمین پر بیٹھا وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ گویا اس نے اپنی طرف سے شہزادے کو مار ہی ڈالا تھا۔ اِس کارروائی سے کشتی ہوا کی طرح پانی کی سطح پر اُڑتی ہوئی آگے چلی اور اُس جگہ پہنچی جہاں سے طوفان کی موجیں پیدا ہوتی تھیں۔ شہزادے کو وہاں ایک بہت بڑا کیکڑا دکھائی دیا جس کا مُنہ غار کی طرح کھلا تھا۔ جب وہ سانس اندر کھینچتا تو دریا کا آدھا پانی اُس کے پیٹ میں چلا جاتا اور جب سانس باہر نکالا تو دریا میں طوفان کی کیفیّت پیدا ہو جاتی۔

اچانک کیکڑے نے اپنا جبڑا پورا کھول دیا اور کشتی اُس کے مُنہ میں تنکے کی

طرح اُڑتی ہوئی داخل ہو گئی۔ شہزادے نے ڈر کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ بہت مدّت تک اندھیرا چھایا رہا۔ کسی طرح کی آواز بھی کان میں نہ آئی۔ جب اندھیرا دور ہوا، شہزادے نے آنکھیں کھولیں، اپنے آپ کو بدستور اُسی کشتی میں دریا کے اندر سفر کرتے ہوئے پایا۔ یکایک سامنے نگاہ پڑی تو عجیب تماشا نظر آیا۔ شیشے کا بنا ہوا ایک بہت بڑا روشن قلعہ پانی کے اوپر تیر رہا تھا۔ کشتی والے بھی قلعے کی طرف دیکھنے لگے۔ شہزادے نے لَوحِ سرطان سے مشورہ کیا، لکھا تھا:

"اے فاتح طِلسم، اِسے قلعہ آب گینہ کہتے ہیں اور یہ طِلسم سرطان کا ایک خاص حصّہ ہے۔ خبردار! اِن کشتی والوں کے ساتھ قلعے کے اندر نہ جانا۔ اس قلعے کے دائیں جانب ایک عظیم الشّان درخت ہے۔ اس درخت میں پھلوں کے بجائے چاندی کی سینکڑوں گیندیں لٹکی ہوں گی۔ اِس درخت کو لَوح سرطان دِکھانا اور کہنا کہ اے درخت، تو مُجھے اپنا ایک بیٹا

عطا کر تاکہ وہ طِلسم کی منزلوں میں میرا ساتھ دے۔ یہ جملہ کہتے ہی ایک گیند
درخت سے الگ ہو کر تمہارے دامن میں آ جائے گی۔ اِس گیند کو جیب
میں رکھ لینا اور پھر قلعہ آب گینہ میں چلے جانا۔ وہاں پہنچ کر قمران بن طریق
کا مکان کسی سے پوچھنا کہ کہاں ہے۔ جب قمران سے ملاقات ہو تو کہنا کہ
اے قمران، اِس طِلسم کے کام میں تیرے باپ نے تُجھے میرا مددگار بنایا
ہے۔ قمران پوچھے گا کہ اِس بات کے سچ ہونے کا ثبوت کیا ہے؟ تب
جیب سے چاندی کی گیند نکال کر اس کو دکھانا۔ پھر وہ قلعے میں آنے کا
مطلب دریافت کرے گا۔ کہنا کہ میں حِصارِ آبی کے حاکم کا فرمان لینے آیا
ہوں۔ اِس کے بعد جو کُچھ قمران کہے اس پر عمل کرنا اور جہاں قمران بھی
کوئی مشورہ دینے سے عاجز ہو، وہاں لَوحِ سرطان کی ہدایت پر عمل کرنا۔"

شہزادے نے پہلے چاندی کی گیند حاصل کی۔ پھر قلعۂ آب گینہ میں جا کر
قمران بن طریق کو تلاش کیا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ قمران نے

کہاکہ حاکم سے فرمان لکھوالینا تو کُچھ مشکل نہیں، لیکن مُصیبت یہ ہے کہ وہ سوائے آبی کاغذ کے کسی دوسرے پر فرمان نہیں لکھتا اور آبی کاغذ کا سُن کر شہزادہ مُسکرایا اور جیب آبی کاغذ نکال کر اس کے حوالے کیا۔ قمران نے حیرت سے کاغذ پر نظر ڈالی اور بولا :

"بے شک، یہ کاغذ تو وہی ہے۔ تُم آج کی رات میرے گھر پر ہو۔ جو دال دلیا مُجھے میسّر ہے وہ کھاؤ۔ اگلے روز میں تمہیں بادشاہ کے پاس لے چلوں گا اور اس کی اجازت سے تمہیں فرمان لکھ کر دوں گا۔"

شہزادے نے قمران کی دعوت قبول کی۔ کھانا کھانے کے دوران میں اس نے قمران سے پوچھا کہ اس درخت کی تعریف کیا ہے. جس سے چاندی کی یہ گیند میرے ہاتھ آئی، اس کے علاوہ میں نے یہ بھی سُنا کے کہ کوئی طِلسم جادُوگروں سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن اِس جگہ میں نے جادُوگروں کا نشان تک نہیں پایا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ قمران نے کہا۔ "تمہارے پہلے سوال کا

جواب غیبی مُرغ دے گا اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اِس طِلسم کا مالک ابھی زندہ ہے اور وہ خود تمام جادُوگروں کا بادشاہ ہے، اس لیے اس طِلسم میں کوئی اور جادُوگر اُس کی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا۔"

اگلے روز صبح قمران ایک گھوڑا سواری کے لیے لایا اور خود بھی اپنے بہت سے ملازموں اور غُلاموں کے ساتھ شہزادے کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ شہزادے نے دیکھا کہ قلعے میں رہنے والوں کے لباس یا تو سفید تھے یا سبز۔ کوئی تیسرا رنگ وہاں نظر نہ آیا۔ اُس کے علاوہ یہ دیکھ کر بھی حیرت ہوئی کہ ہر شخص اطمینان سے چلنے کی بجائے تیز تیز دوڑتا تھا، جیسے کوئی ننگی تلوار لیے اُس کے پیچھے ہو۔

بادشاہ کا دربار بھی بڑا عالی شان تھا۔ بجا بجا نُقرئی (چاندی کے) تخت اور بِلّور کی کُرسیاں بھی تھیں۔ ایک شاندار تخت پر، جس کے پائے سونے کے تھے، ایک بُوڑھا سفید ڈاڑھی والا شخص سبز لباس پہنے بیٹھا تھا۔ قمران نے

پہلے جھُک کر بادشاہ کو سلام کیا، پھر آگے گیا اور کان میں کُچھ کہا۔ بادشاہ نے شہزادے کی طرف غور سے دیکھا پھر گردن ہلائی۔ اُسی وقت قمران نے قلم دان طلب کرنے آبی کاغذ پر فرمان لکھا۔ بادشاہ نے مُہر لگائی اور فرمان شہزادے کے حوالے کیا۔ اس کے بعد کہا :

"اے شہزادے، ہم تُم سے مل کر خوش ہوئے۔ اُمّید ہے ضرورت کے وقت آئندہ بھی تشریف لاؤ گے۔"

شہزادے نے شکریہ ادا کیا اور قمران کے ساتھ دربار سے باہر آیا۔ قمران نے کہا :

"حضور، جہاں تک میری طاقت تھی آپ کی خدمت بجالایا۔ اب آپ لَوحِ سرطان سے مشورہ لیں۔"

شہزادے نے لَوحِ سرطان دیکھ کر قمران سے کہا کہ اے بھائی، اب تُو

مُجھے چشمۂ سرطان پر پہنچا دے۔ قمران نے اِس حُکم کی تعمیل کی اور شہزادے کو چشمے پر لایا۔ وہاں عجیب خُدا کی شان نظر آئی۔ چشمے میں چھوٹے بڑے کیکڑوں کی وہ کثرت تھی کہ اَلاَمان والحفیظ۔ شہزادے نے پھر لَوح کو دیکھا۔ لکھا تھا:

"اے فاتح طِلسم، اِن کیکڑوں میں ایک کیکڑا سفید رنگ کا ہے۔ فرمان اُسے دِکھا کر کہنا کہ اے سفید کیکڑے میں اِس فرمان پر بُرجِ سرطان کے جِن کی مُہر لگوانے کا خواہش مند ہوں اور یہ کام تیری مدد کے بغیر مُحال ہے۔ یہ بات سُن کر سفید کیکڑا شور مچائے گا اور دوسرے تمام کیکڑے اس کے ساتھ مل کر غُل غپاڑا مچائیں گئے۔ پھر غائب ہو جائیں گے۔ اُس وقت چشمے کے پانی میں جوش و خروش پیدا ہو گا اور جہاں تک نظر جائے گی، پانی کے سوا کُچھ اور دکھائی نہ دے گا۔ تمہارا فرض ہے کہ ایسے وقت میں اسمِ اعظم پڑھو اور اپنی جگہ سے ایک قدم آگے پیچھے نہ ہٹو۔ خواہ پانی

تمہاری گردن تک پہنچ جائے۔ جب تم دیکھو گے کہ پانی سر سے بھی اونچا ہوا چاہتا ہے، بے خوف ہو کر غوطہ مارنا۔ اِس کے بعد ضرورت پڑے تو لَوح سے مشورہ کرلینا۔"

شہزادے نے ایسا ہی کیا۔ جب پانی گردن سے بھی اوپر آیا، بے تکلّف غوطہ لگایا۔ تہہ میں اُترتا چلا گیا۔ جُوں ہی زمین کی سطح سے پاؤں ٹکرایا، شہزادے نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتا ہے کہ اُس چشمے کی بجائے ایک پُر فضا باغ ہے جس میں بے شمار اُونچے اُونچے درخت سر اُٹھائے کھڑے ہیں۔ شہزادہ ایک طرف روانہ ہوا۔ باغ سے نکل کر ایک میدان میں پہنچا۔ وہاں نرالی مخلُوق نظر آئی جس کا جسم آدمی کا لیکن چہرہ کیکڑے کا سا تھا۔ شہزادے نے لَوح کا مطالعہ کیا، یہ عبارت ظاہر ہوئی:

"اے فاتح طِلسم، جب تک قمران بن طریق نہ آئے تمہیں یہیں رُکنا پڑے گا۔ قمران آجائے تب اُس سے کہنا کہ ان انسان نُما کیکڑوں کو بُلا۔

اُسے لَوح دکھانا۔ وہ تمہارا مطیع ہوگا اور کہے گا کوئی خدمت بتاؤ۔ تُم کہنا کہ بدرجہاں بن خواجہ ماہیار سوداگر کو میرے پاس پہنچا دے اور ایک گھوڑا بھی اُس کی سواری کے لیے حاضر کر۔ وہ یہ سُنتے ہی بدرجہاں کو گھوڑا سمیت تیرے پاس لے آئے گا۔ تُم بدرِجہاں کو اس گھوڑے پر بٹھا کر خواجہ ماہیار کے پاس پہنچا دینا۔ اِس کے بعد قمران کو لے کر آگے بڑھ جانا۔ کُچھ فاصلے پر ایک گُنبد دکھائی دے گا۔ تم قمران سے اُس کا تالا کھلوانا۔ اِس گُنبد میں عظیم خزانہ محفوظ ہے، جس قدر مال تُم نے خواجہ ماہیار سے لیا، اسی قدر اس خزانے سے اُٹھا لینا اور وہ مال قمران کے ہاتھ خواجہ ماہیار کو بھیج کر وصُول یابی کی رسید منگوا لینا۔"

شہزادے نے اِس ہدایت پر عمل کیا اور گُنبد میں سے ضرورت کے تحت مال لے کر قمران کے ہاتھ خواجہ ماہیار سوداگر کے پاس بھجوا دیا۔ جب قمران چلا گیا تب شہزادے نے لَوح کو دیکھا لکھا تھا کہ اب قمران کا انتظار

کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں سے دائیں جانب جو راستہ ہے، اُس پر چل دو۔ ایک باغ میں پہنچو گے۔

شہزادہ باغ میں آیا۔ اُس میں سینکڑوں عالی شان مکان اور محل بنے تھے اور ہر مکان میں ہزاروں پریوں کا مجمع تھا جو اُچھلتی، کودتی، اُڑتی، ناچتی ایک مکان سے دوسرے مکان میں آجا رہی تھیں۔

شہزادے نے کُچھ دیر پریوں کا تماشا دیکھا۔ پھر آگے بڑھا۔ چند قدم بعد ایک محل کے عالی شان دروازے پر پہنچا جو زمین سے بیس گز بُلند ہو گا۔ شہزادہ زینے کے ذریعے دروازے میں داخل ہوا۔ وہاں ایک اور باغ پہلے باغ سے بھی زیادہ بہتر اور نفیس دیکھا۔ لیکن وہاں کوئی آدمی نہ تھا۔ نہ جِن، نہ دیو، نہ پری۔ حتّٰی کہ درختوں کی شاخیں بھی پرندوں سے خالی تھیں۔ باغ کے بیچوں بیچ ایک گُنبد اِس قدر اُونچا دکھائی دیا کہ اُس کی اُونچائی تک نگاہ ہی نہ پہنچی تھی۔

اتنے میں سورج غروب ہوا اور چاروں طرف آہستہ آہستہ اندھیرا پھیلنے لگا۔ مگر اُسی وقت اِس گُنبد کے در و دیوار سے روشنی کی کرنیں پھوٹنے لگیں۔ دیکھتے دیکھتے روشنی اتنی تیز ہو گئی کہ باغ کے درختوں کا عکس گُنبد کی دیواروں میں نظر آنے لگا۔ شہزادے نے دیکھا کہ چند بڑی بڑی قندیلیں گُنبد کی چھت میں لگی ہوئی ہیں۔ اُن ہی میں ایک قندیل ایسی تھی کہ جو بہت تیزی سے گھومتی ہوئی آتی اور پلک جھپکتے میں غائب ہو جاتی۔

شہزادے نے چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھا۔ گُنبد کا دروازہ کہیں دِکھائی نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد محسوس ہوا کہ گُنبد کے اندر سے مختلف قسم کی آوازیں بھی آ رہی ہیں۔ کبھی ایسا لگتا کہ کسی بڑے بادشاہ کی سواری جاتی ہے۔ کبھی گانے اور ناچنے کی سی آواز سُنائی دیتی۔ کبھی بازار میں جو غُل غپاڑا ہوتا ہے، ویسی آوازیں کان میں آتیں۔ شہزادے نے جو یہ عجیب تماشا دیکھا تو حیرت میں آن کر لَوح پر نظر کی۔ لکھا تھا:

"اے شہزادے، آگاہ ہو کہ اِس کا نام گُنبد بے دَر ہے۔ اِس کا کوئی دروازہ نہیں ہے۔ جب آدھی رات گزرے تو اپنی نظر گُنبد پر قائم رکھنا۔ ایک روشن ستارہ گُنبد سے نکل کر آسمان کی جانب روانہ ہو گا۔ پھر صُبح ہونے سے پہلے پہلے نیچے اُتر کر ایک درخت میں غائب ہو جائے گا۔ تُم اُس درخت کے قریب جا کر کہنا کہ اے مُرادوں کے درخت، اِس لَوح کی برکت سے جو میرے ہاتھ میں ہے، مُجھے راستہ دے تاکہ میں اپنی مُراد کو پہنچوں۔ درخت درمیان میں سے دو ٹکڑے ہو جائے گا۔ تُم بے خوف ہو کراِس کے اندر داخل ہو جانا۔ وہاں ایک سوراخ ہو گا۔ سوراخ میں داخل ہو کر گُنبد کے اندر چلے جانا۔"

شہزادہ لَوح کی ہدایت پر عمل کر کے گُنبد کے اندر گیا۔ وہاں اِس قدر اندھیرا تھا کہ کُچھ نظر نہ آتا تھا۔ اُس نے لَوح سر طان دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ لی۔ خُدا کی قُدرت سے لَوح چراغ کی مانند روشن ہوئی اور راستہ دکھائی دیا۔

شہزادے نے لَوح کی روشنی میں دیکھا کہ جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے، اندر سے گُنبد آسمان کی طرح روشن اور گول نظر آتا ہے۔ یہ بھی دیکھا کہ گُنبد کے ہر گوشے میں ایک پُر بہار باغ ہے اور ہر طرف ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے رواں ہیں۔

یکایک شہزادہ ایک ندی کے کنارے پہنچا۔ وہاں چند ہرن ریت پر لوٹ رہے تھے۔ شہزادے کو آتے دیکھا تو چوکڑیاں بھرتے ہوئے غائب ہو گئے۔ صرف ایک ہرن اپنی جگہ تھما رہا۔ شہزادے نے لَوح سے مشورہ کیا۔ یہ مضمون نظر آیا:

"اے شہزادے، پہلے اس ہرن کی مزاج پُرسی کرو، پھر اُس سے کہو کہ میرے آنے کی اِطّلاع اپنے بادشاہ کو کر دو۔ ہرن پوچھے گا کہ میں تیری طرف سے اپنے بادشاہ کی خدمت میں کیا عرض کروں؟ تُم کہنا کہ صرف اتنی اِطّلاع دے دو کہ جِس کے قبضے میں لَوحِ سرطان ہے، وہ یہاں آیا

ہے۔"

شہزادے نے دِل میں کہا، لو جی، اب ہم ایسے گئے گُزرے ہوئے کہ ہرنوں کی مزاج پُرسی کریں۔ مگر کیا کرتا۔ مجبور تھا۔ لَوح کی ہدایت ہی ایسی تھی۔ عرض آگے بڑھ کر ہرن کو سلام کیا اور مزاج پوچھا۔ یکایک ہرن اُٹھ کھڑا ہوا اور لال لال دیدے شہزادے کی طرف گھما کر انسانی آواز میں بولا :

"اے نوجوان، تجھے میرے مزاج سے کیا واسطہ ؟ اپنا مطلب بیان کر۔"

ہرن کی بات سُن کر شہزادے کو طیش آیا، لیکن ضبط کر کے کہا۔ "اپنے بادشاہ کو خبر دو کہ جس کے قبضے میں لَوحِ سرطان ہے، وہ شخص آیا ہے اور ملاقات کرنا چاہتا ہے۔"

ہرن نے کہا کہ بہت بہتر تھوڑی دیر انتظار کی زحمت برداشت کرو ابھی تمہارے لیے سواری آتی ہے۔ واقعی چند لمحوں بعد چند عُمدہ لباس والے

لوگ ایک تختِ رواں شہزادے کے لئے کندھوں پر اُٹھا کر لائے اور نہایت عزّت کے ساتھ شہزادے کو شہر میں لے گئے۔ شہر بڑا خوب صورت اور آباد تھا۔ لوگ بھی صحت مند اور لمبے تڑنگے تھے، اور دِل چسپ بات یہ تھی کہ ہر شخص سفید لباس پہنے ہوئے تھا۔

شہزادے نے راستے میں لَوح کو دیکھا۔ یہ ہدایت ہوئی کہ جس وقت تُم بادشاہ کے دربار میں پہنچو اُسے دُور سے لَوح دکھانا۔ بادشاہ بہت تعظیم سے پیش آئے گا۔ تم خود تخت پر بیٹھنا اور اُسے وزارت کی کرسی پر بٹھانا۔ چوں کہ اِس ملک کے تخت نشین کا خطاب وزیر المُلک ہوتا ہے اِس لیے وہ بڑی خوشی سے وزارت کی کرسی پر بیٹھ جائے گا۔ تب اُس سے کہنا کہ میں سُرمۂ بُرج سرطان لینے آیا ہوں۔ اِس نئے طِلسم میں اب سُرمۂ زحل بے کار ہے۔ اِس کی جگہ سُرمۂ سرطان کام دے گا۔"

شہزادے نے ایسا ہی کیا۔ وزیر المُلک نے ایک ہفتے تک شہزادے کی

دعوتیں کیں۔ پھر شہر کے باہر ایک وسیع میدان میں لایا۔ یہاں قالینوں اور مخمل کا فرش بچھا تھا۔ شہر کی ساری رعایا ادب سے چاروں طرف کھڑی تھی۔ درمیان میں ایک تخت زر نگار رکھا گیا۔ اِس کے بعد رعایا اور وزیر المُلک نے مل کر ایک منتر زور زور سے پڑھنا شروع کیا۔ چند ساعتوں بعد آسمان پر زنّاٹے کی سی آواز سُنائی دی۔ سب لوگ ایک دم سجدے میں گر گئے۔ لیکن شہزادے نے گردن اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ ایک نقاب پوش ہوا میں اُڑتا ہوا آیا اور آہستہ آہستہ نیچے آکر تخت پر بیٹھ گیا۔ اُس کے بیٹھتے ہی وزیر المُلک سمیت ساری رعایا اُٹھ کھڑی ہوئی۔ نقاب پوش نے وزیر سے پوچھا:

"تُونے ہمیں کس مقصد کے لیے بُلایا ہے؟"

وزیر نے شہزادے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ نوجوان مُجھ سے سُرمۂ سرطان طلب کرتا ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو وہ مقدّس

سُرمہ اِس کے حوالے کروں؟"

نقاب پوش نے یہ سُن کر اپنی انگلی سے انگوٹھی اُتار کر وزیر کو دی اور وزیر نے انگوٹھی شہزادے کو دی۔ یہ اِس بات کی اجازت تھی کہ سُرمۂ سرطان شہزادے کے حوالے کر دیا جائے۔ انگوٹھی جوں ہی شہزادے نے اپنی انگلی میں پہنی آسمان اور زمین سب تاریک ہو گئے اور اِس تاریکی میں وہ پُراسرار نقاب پُوش آگ کا شُعلہ بن کر آسمان کی جانب روانہ ہوا۔ اِس تاریکی کے باوجود نقاب پوش کا چہرہ نقاب میں سے چاند کی مانند روشن دکھائی دیتا تھا۔

اس رسم کے بعد وزیر شہزادے کو پھر شہر میں لایا اور سلطنت کے تمام خزانوں کی کُنجیاں اُس کے سامنے رکھ دیں۔ شہزادے نے ایک خزانے کا قُفل کھولا۔ اُس میں ایک جواہر نِگار ڈبیا پڑی تھی۔ اِس ڈبیا کے اندر سُرمۂ سرطان بھرا تھا۔ شہزادے نے ڈبیا اپنی جیب میں رکھی اور وزیر سے کہا:

"میں اِن خزانوں کو لے کر کیا کروں گا؟ یہ تُم ہی کو مبارک رہیں۔ جس چیز کی مُجھے ضرورت تھی، وہ مل گئی۔ اب میں رُخصت ہونا چاہتا ہوں۔"

وزیر نے ادب سے گردن جھکائی۔ اتنے میں قمران نے حاضر ہو کہ خواجہ ماہیار سوداگر سے مال وصول کرنے کی رسید خدمت میں پیش کی۔ شہزادہ اس شہر سے نکل کر کُچھ دُور گیا تھا کہ ایک عالی شان دروازہ دکھائی دیا۔ اُس نے قمران سے پوچھا:

"یہ اتنا بڑا دروازہ کس مکان کا ہے؟"

قمران نے جواب دیا۔ "حضور، یہ دروازہ اُسی گُنبد بے دَر کا ہے۔ اب سُرمۂ سرطان کی برکت سے آپ کو نظر آیا۔ بے خوف ہو کر گُنبد کے اندر داخل ہو جائیے۔"

شہزادے نے گُنبد کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ دروازہ غائب ہو گیا۔ آگے

بڑھا تو گُنبد کے نگہبان مہتر پیکان نے شہزادے کا اِستقبال کیا۔ شہزادے
نے اُس سے پوچھا کہ اِس گُنبد کا مالک کون ہے تو مہتر پیکان نے ادب
سے جواب دیا۔ "حضور اِس غُلام نے سُنا ہے کہ کُل کائنات طِلسم کا ایک
بادشاہ ہے جس کا حُکم ٹالنے کی مجال سلطان روح المُلک میں بھی نہیں
ہے۔ اور یہ بھی سُنا ہے کہ وہ بادشاہ پری زادوں کی قوم میں سے ہے۔ بس
آج کل میں اُس بادشاہ کا ایک نائب یہاں آنے والا ہے تاکہ انتظام کی
دیکھ بھال کر کے بادشاہ کو خبر دے۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "وہ نائب کون ہے اور کہاں رہتا ہے؟ کیا اُس سے
ملاقات ہو سکتی ہے؟"

مہتر پیکان نے جواب دیا۔ "حضور، وہ سال میں صرف ایک مرتبہ یہاں آتا
ہے اور ہمیشہ چہرے پر نقاب ڈالے رکھتا ہے۔ اِس لیے اُس کی صورت
آج تک کسی نے دیکھی اور نہ کوئی اُس کے نام سے آگاہ ہے۔"

شہزادہ بڑا پریشان ہوا۔ لیکن زبان سے کُچھ نہ کہا۔ مہتر پیکان شہزادے کو
ایک عظیم الشّان مکان میں لے گیا جہاں سینکڑوں غُلام، کنیزیں اور خادم
ادب اور قرینے سے کھڑے تھے۔ ایسا شان دار دربار شہزادے نے
پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مہتر پیکان نے الماس کے بنے ہوئے ایک
تخت پر شہزادے کو بٹھایا جو دربار میں سب سے اونچی جگہ رکھا تھا۔

بِچھّوؤں کا جزیرہ

تھوڑی دیر بعد غُل مچا کہ کائناتِ طِلسم کے بادشاہ کا نقاب دار نائب آ گیا ہے۔ مہتر پیکان خادموں کی فوج لے کر نقاب دار کے استقبال کو دوڑا۔ شہزادہ اپنے تخت پر بیٹھا تماشے دیکھتا رہا۔ نائب دربار میں آ کر تمام حاضرینِ مجلس سے اُونچا لیکن شہزادہ اسماعیل سے نیچے ایک کُرسی پر بیٹھا اور شہزادے سے باتیں کرنے لگا۔ اُس کی آواز سُن کر شہزادے کو تعجّب ہوا کہ بالکل عورتوں کی سی آواز تھی۔

چند لمحوں بعد شہزادے نے مہتر پیکان سے پوچھا کہ معزّز نقاب دار کا نام کیا ہے؟ اُس نے گھبرا کر کہا :

"حضور، ہماری کیا مجال کہ اِن کا نام پوچھیں۔"

شہزادے کی بات نقاب دار نے بھی سُن لی تھی۔ اُس نے شہزادے سے کہا :

"اے نوجوان، میرا نام بَرق ہے۔"

شہزادے نے ہنس کر کہا۔ "بے شک، تمہارا نام یہی ہونا" چاہیے تھا۔ اب مہربانی کر کے اپنے بادشاہ کا نام بھی بتاؤ جو اِس طِلسمی کائنات کا بادشاہ ہے۔"

برق نے جواب دیا۔ "اُس بادشاہ کا درجہ اِس قدر بُلند ہے کہ ہر محفل میں اُس کا نام بھی زبان پر لایا نہیں جا سکتا۔ جب وقت آئے گا، تمہیں خود بخود

معلوم ہو جائے گا۔"

شہزادے نے کہا۔ "خیر، اب آپ ہی اپنی صورت دِکھا دیں۔"

برق نے کہا۔ "اے نوجوان، اِس شہر میں کبھی میری صُورت کسی نے نہیں دیکھی۔ لیکن تُم ایسے معزّز اور محترم مہمان ہو کہ تمہاری فرمائش ٹالی نہیں جا سکتی۔"

یہ کہہ کر اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ شہزادے نے دیکھا کہ سامنے ایک حسین شہزادی بیٹھی مُسکرا رہی ہے۔ شہزادے کے مُنہ سے بے اختیار یہ کلمہ نکلا کہ میں نے تُجھے کہیں دیکھا ہے۔ اُس نے ہنس کر کہا کہ اے شہزادے، یاد کرو جب تم عجائبات کے دروازے میں داخل ہوئے تھے۔ میں ہی تمہیں باغِ عشرت میں لے گئی تھی۔ یہ سُنتے ہی شہزادے کے ہوش جاتے رہے۔

بہت دیر بعد اوسان ٹھیک ہوئے اور آنکھیں کھلیں تو بَرق شہزادی کی کُرسی خالی تھی۔ مہتر پیکان سے پوچھا کہ کہاں غائب ہو گئی۔ پیکان نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ حضور وہ تو شہابِ ثاقب بن کر چلی گئی۔

شہزادہ وہاں سے روانہ ہو کہ چشمۂ سرطان پر پہنچا۔ اِس جگہ بہت سے خیمے دِکھائی دیے۔ قمران سے پوچھا کہ یہ خیمے کس کے ہیں؟ اُس نے عرض کیا کہ اِن خیموں کا مالک اِس چشمے کا داروغہ عینُون ہے۔ اُس کی بڑی آرزو ہے کہ وہ آپ کو اپنا مہمان بنائے۔

اِس اثنا میں عینُون داروغہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شہزادے کی خاطر تواضع کے انتظام کرنے لگا۔ شہزادے نے قمران سے پوچھا کہ اِس چشمے پر داروغہ مقرّر کرنے سے فائدہ کیا ہے؟ قمران نے کہا کہ حضور، قلعۂ بِلّوریں میں بادل کے ذریعے پانی برسانے کی خدمت عینُون کو سونپی گئی ہے۔ اِس کے سوا اور کوئی یہ کام نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی شخص بادشاہ سے

لے کر فقیر تک گناہ کرتا ہے تو عینُون اُس کے گھر میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں رہنے دیتا۔ اِس طِلسم میں عینُون کی بڑی قدر ہے۔

عینُون شہزادے کو لے کر قلعۂ بِلّوریں میں آیا۔ قلعے کا حاکم سفید قبا تھا۔ اُس نے بھی شہزادے کی بڑی آؤ بھگت کی۔ یہاں سے چند دِن بعد نکل کر اُس درخت کے پاس پہنچا جہاں سے چاندی کی گیند حاصل کی تھی۔ قمران نے عرض کیا کہ اب میری طرف سے دعوت قبول فرمائیں۔ یہ کہہ کر اس درخت کے سائے میں دستر خوان بچھایا۔ اس وقت درخت کی ہَوا میں ایک دم گرمی پیدا ہوئی اور درخت میں سے آواز آئی :

"اے شہزادے ، تم پر سلام ہو۔"

شہزادے نے سلام کا جواب تو دیا لیکن حیران تھا کہ یہ آواز کس کی ہے اور کہاں سے آئی۔ اتنے میں درخت کی شاخوں میں سے مختلف نعمتوں کے بھرے ہوئے خوان اُترنے شروع ہوئے مگر لانے والا نظر نہ آتا تھا۔

اِتنے میں درخت کا تنا پھٹا اور اُس میں سے پری پیکر غُلام اور خادم نمودار ہوئے اور سب نے شہزادے کو سلام کیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو شام ہو گئی۔ یکایک درخت پر لٹکی ہوئی چاندی کی تمام گیندیں شُعلے بن بن کر آسمان کی طرف روانہ ہوئیں۔

چند ساعتوں بعد پریوں کا ایک ہجوم نمودار ہوا جنھوں نے گانے بجانے سے شہزادے کا دِل خوش کیا۔ اِس کے بعد درخت سے سو سال کا ایک بُڈّھا سفید بُراق لباس پہنے، ایک ہاتھ میں یاقُوتی عصا اور دوسرے ہاتھ میں زمرّد کی تسبیح لیے آیا اور حُکم دیا کہ شہزادے کے واسطے تخت بچھایا جائے۔ شہزادہ اس بیش قیمت تخت پر رونق افروز ہوا۔ اچانک شہزادے کو برق شہزادی یاد آئی۔ اور بے اختیار رونے لگا۔ بُڈّھے نے کہا کہ اے شہزادے، نظر اُٹھاؤ اور خُدا کی قُدرت کا تماشا دیکھو۔

شہزادے نے نگاہ اُٹھائی۔ کیا دیکھتا ہے کہ زمین اور آسمان کے درمیان

مشعلوں اور فانُوسوں کی سی روشنی پھیلی ہوئی ہے اور تخت زمرّد نگار پر وہی بَرق شہزادی بیٹھی ہوئی ہے۔ اُسے دیکھنا تھا کہ شہزادہ بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو سوائے قمران اور اُس بُڈّھے کے وہاں کوئی نہ تھا۔ اُس سے پوچھا کہ برق شہزادی کہاں رہتی ہے۔ بُڈّھے نے جواب دیا کہ اے شہزادے طِلسمی کائنات کے بادشاہ کی قسم، میں برق شہزادی کے مقام سے واقف نہیں۔ البتّہ یہ حال مُجھے ضرور معلوم ہے کہ ایک بار پھر تمہاری ملاقات اُس سے ہوگی۔ لیکن کب؟ یہ میں نہیں بتا سکتا۔

اب صبر کے سوا چارہ کیا تھا۔ شہزادے نے لَوحِ سرطان پر نظر ڈالی۔ لکھا تھا:

"اے شہزادے، اب تُم قمران کو بھی رُخصت کر دو اور خود یہاں سے روانہ ہو کر دریا پر اُس جگہ پہنچو جہاں خواجہ ماہیار سوداگر سے ملاقات ہوئی تھی۔ دریا کے کنارے وہ شخص گھوڑا لے کر آئے گا جس سے تم پہلی بار مل چکے ہو۔

اِس گھوڑے پر سوار ہونا۔ وہ تمھیں فقیر سبز پوش کے پاس پہنچا دے گا۔ آئندہ کے لیے جو ہدایت سبز پوش دے، اُس پر عمل کرنا۔"

شہزادہ چند لمحوں میں فقیر سبز پوش کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے طِلسم سرطان کے فتح ہونے کی مبارک باد دی۔ پھر پوچھا کہ اے شہزادے، اب تمھارے ارادے کیا ہیں؟ شہزادے نے جواب دیا کہ بَرق شہزادی اور طِلسمی کائنات کے بادشاہ کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اِن باتوں سے پہلے اقبال شاہ کا کام کرنا بھی ضروری ہے کہ اُس سے وعدہ کر چُکا ہوں۔

فقیر سبز پوش نے یہ سُن کر گردن جھُکا لی۔ پھر فرمایا۔ "اے بیٹا، بَرق شہزادی اور طِلسمی کائنات کے بادشاہ کی حقیقت معلوم کرنے میں بے انتہا پریشانیاں اور مُصیبتیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ اگر تُم اِس کے لیے خوشی سے تیّار ہو تو مُجھے کیا انکار ہے۔ فی الحال لَوحِ سرطان جہاں سے

لائے ہو، وہیں واپس کرو۔ اِس وقت میں تمھیں لَوح نحاس کی تلاش میں بھیجوں گا جو طِلسم عقرب یعنی بِچھّو کی خبر دینے والی ہے۔ جب شہزادہ لَوحِ سرطان کو اُس مقام پر پہنچا کر آیا، فقیر سبز پوش نے اُسے تین دِن آرام کرنے کا حُکم دیا۔ چوتھے دِن اپنی انگوٹھی دے کر فرمایا کہ دریا کے کنارے کنارے روانہ ہو۔ ایک روز بعد ایک ایسی جگہ پہنچو گے جہاں دریا کا پانی خُون کی طرح سُرخ ہو گا۔ وہاں ایک لاکھ مرتبہ اِسمِ اعظم کا ورد کرنا۔ ایک بہت بڑا کچھوا دریا سے نکل کر تمھاری طرف رینگتا ہوا آئے گا۔ خبردار اِس کچھوے سے خوف نہ کھانا۔ وہ اصل میں طِلسم عقرب کا پہلا جِن سیفائل ہے۔ تُم اُس سے کہنا کہ اے سیفائل، مُجھے اپنی پیٹھ پر سوار کر کے عقربوں (کچھوؤں) کے جزیرے میں پہنچا دے۔ وہ تمھیں اِس عجیب و غریب جزیرے میں لے جائے گا۔ وہاں میرا ایک چھوٹا بھائی صارِم شیر دِل رہتا ہے۔ تُم شہر میں جا کر اُسے تلاش کرنا۔ میری انگوٹھی اُسے دے

کر سلام کہنا۔ یقین ہے وہ طِلسم عقرب میں تمہاری مدد کرے گا۔ صارِم کی نشانی یہ ہے کہ لمبا تڑنگا سُرخ سفید شخص ہے۔ اُس کی آنکھیں بھی ہر وقت لال انگاراسی رہتی ہیں۔ ہر وقت بدن پر ہتھیار لگائے رکھتا ہے۔“

شہزادہ اسماعیل فقیر سبز پوش سے رُخصت ہو کر دریا کے ساتھ ساتھ چلا۔ ایک رات اور ایک دِن چلنے کے بعد ایسے مُقام پر آیا جہاں دریا کا پانی کبوتر کے خون کی طرح سُرخ تھا۔ وہیں رُک کر ایک مُبارک ساعت میں اِسمِ اعظم پڑھنا شروع کیا۔ سات روز میں ایک لاکھ مرتبہ پڑھا۔ آٹھویں روز شام کے وقت دریا کے سُرخ پانی سے ایک ہیبت ناک کچھوا نکل کر رینگتا ہوا شہزادے کی طرف بڑھا۔ اُس کو دیکھ کر شہزادے کے رونگٹے کھڑے ہوئے اور خُدا کی قُدرت یاد آئی۔ کچھوے کا مُنہ اتنا بڑا تھا کہ ایک ہی وقت میں دس بارہ آدمی اُس کے اندر آسانی سے سما جاتے۔

جب کچھوا شہزادے سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر آن کر رُکا تو شہزادے

نے اُونچی آواز سے کہا :

"اے طِلسمِ عقربی کے جِن سیفائل، تُو مُجھے کچھوؤں کے جزیرے میں پہنچا دے۔ میں تیرا شُکر گزار ہوں گا۔"

یہ کلمہ سُن کر کچھوے نے گردن اپنے خول کے اندر چھُپالی۔ شہزادہ اُس کی پیٹھ پر سوار ہوا جو اتنی مضبوط تھی جیسے فولاد کی بنی ہوئی ہو۔ کچھوا دریا کے اندر گھُس گیا۔ شہزادے نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد یُوں لگا جیسے پانی کی گہرائی میں ڈوبتا چلا جا رہا ہے۔ زمین پر پاؤں لگتے ہی شہزادے نے آنکھیں کھول دیں۔ اپنے آپ کو ایک ویران اور ہیبت ناک جزیرے پر پایا جس کے چاروں طرف کالے رنگ کا گہرا سمندر تھا۔ اِس جزیرے پر دُور دُور تک ننگی، کالی چٹّانوں اور ریتلے میدان کے سوا کُچھ نہ تھا۔ آسمان پر اِکّا دُکّا ستارے چمک رہے تھے اور ہَوا اتنی ٹھنڈی تھی کہ تیروں کی طرح بدن میں کھُبی جاتی تھی۔

شہزادہ خُدا کا نام لے کر ایک طرف چل پڑا۔ رات بھر چلتا رہا حتّیٰ کہ پیروں میں چھالے پڑ گئے۔ صُبح کے وقت ایک شہر آثار دِکھائی دیے۔ شہر کی فصیل (چار دیواری) کالے رنگ کی تھی اور اُس پر سُرخ بُرج بنے تھے۔ فصیل کا ایک ہی دروازہ تھا جس کا رنگ بھی گہرا سُرخ تھا۔

خُوش قسمتی سے فصیل کا دروازہ کھُلا ہوا تھا۔ شہزادہ تھکن سے چُور، بھوک پیاس سے لاچار، گِرتا پڑتا شہر میں داخل ہوا۔ لوگ عجیب شکلوں کے تھے۔ دُور سے دیکھ کر ایسا دھوکا ہوا جیسے انسانی قد و قامت کے بِچھّو چل پھر رہے ہیں۔ اُن کی پیشانیاں کنجوسوں کی طرح تنگ تھیں۔ ناکیں لمبی اور طوطے کی چونچ کی مانند مُڑی ہوئی تھیں۔ ہاتھوں اور پیروں پر کانٹے نما بال۔ چلنے کے بجائے وہ تیزی سے رینگتے تھے۔

شہزادہ سارا دِن شہر میں مارا مارا پھرتا رہا۔ فقیر سبز پوش کے چھوٹے بھائی صارِم شیر دِل کی تلاش تھی۔ اِسی جُستجو میں ہر شخص کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر

دیکھتا اور شیر دِل کو نہ پا کر آگے بڑھ جاتا۔ آخر تھک ہار کر ایک مکان کی دیوار تلے بیٹھا۔ تھوڑی دیر بعد مالک مکان باہر نکلا اور سیدھا شہزادے کی طرف آیا۔ پہلے تو غور سے شہزادے کی صورت تکتا رہا، پھر کہنے لگا :

"اے نوجوان، شاید تُو اِس شہر میں مسافر ہے اور ایسا لگتا ہے کہ تُو نے کُچھ کھایا پیا بھی نہیں۔ اُٹھ، میرے گھر چل۔ جو کُچھ موجود ہے، وہ حاضر کروں گا۔"

شہزادے نے ہمدردی کے یہ کلمے سُن کر اُس شخص کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اس شہر کے اِن بِچّھو نُما لوگوں کی طرح کا تھا۔ اُس نے شہزادے کو اپنا نام کیوس عقربی بتایا۔ شہزادہ اُٹھ کر اُس مکان میں گیا۔ کیوس نے اُسی وقت دستر خوان بچھا کر نان اور گوشت کی یخنی سامنے رکھی۔ شہزادے نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر ایک بستر پر لیٹ کر گہری نیند سو گیا۔

شہزادے نے کیوس عقربی کے گھر میں تین دِن اور تین راتیں گزاریں۔

اِس دوران میں کئی مرتبہ شہر کا گشت بھی لگایا۔ ہر شخص سے صارِم شیر دِل کا پتا نشان پوچھا لیکن کسی نے نہ بتایا۔

اِدھر وہ مردُود کیوس عقربی اِس فکر میں تھا کہ کس طرح شہزادے کے ہتھیار حاصل کرے۔ ایک دِن اُس نے شہزادے سے کہا کہ آج ایک دوست نے اپنے مکان پر میری اور تمہاری دعوت کی ہے۔ شہزادہ اُس کے ساتھ وہاں چلا گیا۔ ایک انتہائی مکروہ شکل کی گندی عورت اُس مکان میں نظر آئی جس کا نام مستان تھا۔ اُس نے شہزادے کی بے حد تعظیم کی اور اِس قسم کی باتیں اور حرکتیں کرنے لگی کہ بے اختیار شہزادے کو ہنسی آ گئی۔ اتّفاق سے شہزادے کو غُسل خانے میں جانے کی حاجت ہوئی۔ جب وہ واپس آیا تو دیکھا کہ تمام ہتھیار غائب ہیں۔ کیوس عقربی اور مستان سے بار بار پوچھا کہ میرے ہتھیار کہاں ہیں؟ لیکن اُنھوں نے کہا کہ ہمیں کیا خبر۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک اور عقربی شخص وہاں آیا۔ اُس نے پوچھا

کیا معاملہ ہے ۔ شہزادے نے سب قصّہ سُنایا۔ اُس نے کہا یہاں جھگڑنے سے کیا فائدہ ۔ اگر کیوس اور مستان نے تمہارے ہتھیار چُرا لیے ہیں تو تُم جا کر قاضیِٔ شہر کی عدالت میں دعوٰی کرو۔

شہزادہ اُسی وقت قاضی کی عدالت میں گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص کُرسی پر بیٹھا لوگوں کی شکایتیں سُن کر فیصلے کر رہا ہے ۔ شہزادے نے بھی اپنی باری آنے پر ساری کہانی بیان کی ۔ قاضی نے حُکم دیا کہ کیوس عقربی اور عورت مستان کو طلب کیا جائے ۔ وہ دونوں حاضر ہوئے ۔ قاضی نے شہزادے کی طرف اشارہ کر کے کہا :

"اِس نوجوان نے دعوٰی کیا ہے کہ تُم نے دھوکے سے اِس کے ہتھیار ہتھیا لیے ہیں۔ تُم جواب میں کیا کہتے ہو؟"

اُن دونوں نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور گردنیں ہلا کر بولے :

"جنابِ والا، ہم سے جس کی چاہے قسم لے لیجیے جو آج سے پہلے ہم نے اِس نوجوان کی شکل بھی دیکھی ہو۔ یہ جھوٹا ہے۔"

یکایک ایک اور عقربی شخص عدالت میں حاضر ہو کر غُل مچانے لگا کہ دُہائی ہے قاضی کی۔ اِس نوجوان نے کل بازار میں میری جیب کاٹ لی تھی، ابھی اِس کی تلاشی لی جانے تو میری رقم بر آمد ہو گی۔

قاضی کے حُکم سے پیادوں نے شہزادے کی تلاشی لی تو سونے کے دیناروں کی ایک تھیلی نکل آئی۔ اِس تھیلی کو دیکھتے ہی وہ عقربی چلّا اُٹھا:

"یہی ہے میری تھیلی۔ اِس میں سو دینار ہوں گے۔"

قاضی نے اپنے ہاتھ سے تھیلی اُلٹ کر دینار گِنے۔ ایک کم نہ زیادہ۔ پورے سو نکلے۔ شہزادہ حیران پریشان تھا کہ دیناروں کی یہ تھیلی اُس کی جیب میں کیسے پہنچی! قاضی نے غضب ناک ہو کر فیصلہ دیا کہ مجرم کو تین ماہ کے لیے

قید خانے میں بھیجا جائے۔ پیادوں نے شہزادے کو پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے قید خانے کی طرف لے چلے۔ شہر کے لوگ ہنستے، قہقہے لگاتے، تالیاں بجاتے ہجُوم کی صورت میں ساتھ تھے۔ غرض عجب تماشا بن گیا۔ شہزادے نے قید خانے میں رات کاٹی۔ کسی نے جھوٹے مُنہ بھی کھانے کے لیے نہ پُوچھا۔ بلکہ جو آتا، وہ مذاق اُڑاتا اور جلی کٹی باتیں کرتا۔ شہزادہ سوچتا تھا کہ اِس مرتبہ بُرے پھنسے۔ اب اپنی فریاد لے کر کِس کے پاس جاؤں اور اِس قید خانے سے کیوں کر نکلوں یکایک سُرمۂ سرطان یاد آیا۔ شہزادہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ اُسی وقت جیب ٹٹولی۔ دیکھا کہ سُرمے کی ڈِبیا موجود ہے۔ فوراً آنکھوں میں سُرمہ لگا، پہرے داروں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہوا باہر نکل آیا۔ وہاں سے سیدھا ایک نان بائی کی دُکان پر پہنچا۔ بھُوک کے مارے بُرا حال تھا۔ جھٹ دو تین تازہ شیرمال وہاں سے اُچک لیے۔ نان بائی دہشت کے مارے دیوانہ ہو گیا کہ شیرمال غائب ہو

رہے ہیں اور اُٹھانے والا دِکھائی نہیں دیتا۔ اُس نے بے اختیار غُل مچایا کہ اے لوگو دیکھو یہ کون ہے جو یوں دِن دہاڑے میرے شیر مال اُٹھائے لیے جاتا ہے۔

اتّفاق سے کیوس عقربی بھی اُدھر سے گُزرا اور نان بائی کی دُکان پر روٹی خریدنے آیا۔ شہزادے نے نان بائی کے صندوقچے سے چار اشرفیاں اور تین سونے کی انگوٹھیاں اُٹھا کر آہستہ سے کیوس عقربی کی جیب میں ڈال دیں۔ جب وہ کُچھ دُور چلا گیا تو شہزادے نے سُرمۂ سرطان آنکھوں سے صاف کیا اور ظاہر ہو کر نان بائی سے کہا :

"میاں، تُم کیسے غافل دُکان دار ہو، تمہاری آنکھوں کے سامنے سے فلاں شخص اشرفیاں اور انگوٹھیاں صندوقچے میں سے چُرا کر لے گیا اور تُم ٹس سے مس نہ ہوئے۔"

یہ سُن کر نان بائی بد حواس ہوا۔ صندوقچے میں دیکھا تو واقعی چاروں

اشرفیاں اور تینوں انگوٹھیاں ندارد تھیں۔ اُٹھ کر چور کو پکڑنے کے لیے
بھاگا اور آناً فاناً کیوس عقربی کو دھر لیا۔ لوگوں نے پُوچھا، معاملہ کیا ہے؟
نان بائی نے کہا کہ اِس بد معاش نے میرے صندوقچے میں سے اشرفیاں
اور سونے کی انگوٹھیاں چُرا کر اپنی جیب میں چھُپا لی ہیں۔ لوگوں نے کہا،
ابھی ہمارے سامنے تلاشی لو۔ کیوس عقربی کی تلاشی لی گئی تو نان بائی کا
مال بر آمد ہو گیا۔ اب کیوس لاکھ چیختا چلّاتا ہے کہ تمہاری اشرفیاں اور
انگوٹھیاں میں نے نہیں چُرائیں۔ نہ جانے کس نے میری جیب میں رکھ
دی ہیں۔ مگر کسی نے اُس کی فریاد پر کان نہیں دھرا۔ نان بائی نے پاؤں
سے جوتا نکالا اور گِن کر سو جوتے کیوس عقربی کی کھوپڑی پر مارے۔ آخر
لوگوں نے کہہ سُن کر چھڑوا دیا۔ کیوس وہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔
دوسرے دِن شہزادہ آنکھوں میں سُرمہ لگا کر مستان کے مکان پر پہنچا۔
وہاں کیوس عقربی اپنے چند اوباش دوستوں کے ساتھ بیٹھا کسی واردات کا

منصوبہ گانٹھ رہا تھا۔ شہزادے نے ہاتھ بڑھا کر زور سے اُس کی گُدّی پر
دھول ماری۔ کیوس سمجھا کہ اُس کے برابر بیٹھے ہوئے شخص نے یہ حرکت
کی ہے۔ تاؤ کھا کر اپنے ہی دوست کی گردن پر ایسا ہاتھ مارا کہ وہ درد سے
بِلبلا گیا۔ پھر تو دونوں میں ہاتھا پائی ہونے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے دو گروہ بن
گئے اور تلواریں کھنچ گئیں۔ حتّیٰ کہ پانچ آدمی قتل اور دس زخمی ہوئے۔
باقی وہاں سے بھاگے۔ بھاگنے والوں میں کیوس بھی شامل تھا۔

مستان کو خوف تھا کہ شہر کے حاکم تک خبر ضرور پہنچے گی اور وہ آن کر سزا
دے گا۔ اِس لیے اپنے گھر سے نکل کر ہمسائے کے گھر جا چھُپی۔
شہزادے نے اُس کے مکان کی تلاشی لی مگر اپنے ہتھیار نہ پائے۔ آخر
مایوس ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

اب کیوس عقربی کا حال سُنو۔ وہ ہمیشہ کا ٹھگ اور اُٹھائی گیرا تھا۔ ایک
رات موقع پا کر قاضی کے مکان میں چوری کے ارادے سے نقب لگائی۔

یہ نقب اُس نے ایک بڑھیا کے مکان میں داخل ہو کر لگائی تھی جو قاضی کے پڑوس میں رہتی تھی۔ صُبح قاضی کو اِس واردات کا پتا چلا۔ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ چُور بڑھیا کی مکان کی طرف سے آئے تھے۔ قاضی کو شک ہوا کہ بڑھیا بھی چوروں میں شامل ہے۔ اُس غریب کو اِس شک میں گرفتار کر کے دُرّے لگائے۔ پھر قید میں ڈال دیا۔ اِدھر کیوس عقربی نے قاضی کا مال ساتھیوں میں تقسیم کرنے کے بعد اپنا حصّہ ایک جگہ کھود کر دفن کر دیا۔ اُسی جگہ شہزادے کے ہتھیار بھی دبائے گئے تھے۔ شہزادہ سُرمہ لگائے ہوئے کیوس عقربی کے پیچھے تھا۔

دوسرے روز شہزادے نے جا کر قاضی سے کہا کہ جناب آپ کا مال اِس شخص کے پاس ہے جس نے میرے ہتھیار چُرائے تھے۔ قاضی نے یہ سُن کر چند سپاہی شہزادے کے ساتھ روانہ کیے۔ شہزادے نے اُس جگہ پہنچ کر سپاہیوں کو زمین کھودنے کا حُکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد قاضی کا چوری کیا

گیا مال اور شہزادے کے ہتھیار سب زمین میں سے نکل آئے۔

سپاہیوں نے مال برآمد ہونے کی خبر قاضی کو دی اور بتایا کہ یہ حرکت کیوس عقربی کی ہے۔ قاضی نے طیش میں آکر حُکم دیا کہ یہ مردود جہاں بھی دِکھائی دے وہیں سے جوتے مارتے ہوئے میرے پاس لے آؤ۔ سپاہیوں نے ایسی جوتے کاری کی کہ مزا آگیا۔ قاضی نے بُڑھیا کو قید سے آزاد کیا اور کیوس کو سخت سزا دے کر قید خانے میں بھیجا۔

شہزادہ اُس بُڑھیا کے ساتھ اُس کے مکان پر آیا اور پوچھا کہ امّاں جان، تُم کون ہو اور اِس شہر میں کیوں کر آئیں؟ بُڑھیا نے یُوں اپنی کہانی بیان کی:

"اے بیٹا، مُجھ بد نصیب کا حال کیا پُوچھتے ہو۔ میں اصل میں ملک ایران کی رہنے والی ہوں۔ میرا شوہر اپنے وقت کا نامی سوداگر تھا۔ ایک مرتبہ تجارت کا سامان لے کر جہاز پر سوار ہوا۔ میں بھی اُس کے ساتھ تھی۔ بد قسمتی سے ہمارا جہاز ایک زبردست طوفان میں پھنس کر راستے سے بھٹک

گیا۔ بہت مدّت بعد کنارے پر لگے۔ معلوم ہوا کہ یہ عقربوں کا جزیرہ ہے۔ اِن بدبختوں نے سارا مال اسباب لوٹ لیا اور میرے شوہر کو قتل کیا۔ میں جان بچا کر ایک غار میں جا چھُپی۔ وہاں سے ایک بہادر نوجوان مُجھے اپنے ساتھ لایا اور اِس مکان میں چھوڑ کر چالیس دِن کے لیے ایک جگہ عبادت کرنے گیا ہے۔ اب اُس کے آنے میں تین دِن باقی ہیں۔“

شہزادے نے پوچھا۔ ”امّاں، یہ تو بتاؤ کہ اِس نوجوان کا نام کیا ہے؟“

بُڑھیا نے جواب دیا۔ ”میں نے اُس کا نام تو نہیں پُوچھا لیکن اُس کا حُلیہ یہ ہے: قد لمبا، چہرہ سُرخ سفید، آنکھیں ہر دم لال انگارا۔ بدن پر ہتھیار لگائے رکھتا ہے۔“

یہ سُنتے ہی شہزادہ سمجھ گیا کہ اِس حُلیے کا نوجوان صارِم شیر دِل کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ اُس کے انتظار میں اُس بُڑھیا کے گھر ٹھہرا رہا۔

ایک آنکھ والی مخلوق

چوتھے روز صارِم شیر دل نے آن کر دستک دی۔ بُڑھیا کے بجائے شہزادے نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ صارِم اپنے سامنے ایک خوب صورت نوجوان کو دیکھ کر حیران ہوا اور پوچھا :

"تُم کون ہو اور اس مکان میں کیسے آئے ؟"

شہزادے نے اسے سلام کیا۔ پھر فقیر سبز پوش کا سلام پہنچایا۔ اِس کے

بعد انگوٹھی دی۔ صارِم شیر دِل نے شہزادے کو بڑھ کر گلے سے لگایا اور بولا:

"اے دلاور، شاید تمہارا ہی نام شہزادہ اسماعیل ہے۔ اگر تمہیں میرے بھائی سبز پوش نے یہاں بھیجا ہے تو مُجھے غُلام سمجھو۔ بتاؤ، میں کیا خدمت سر انجام دے سکتا ہوں؟"

شہزادے نے کہا۔ "میں لَوحِ طِلسم عقرب کی تلاش میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ اگر یہ کام کر دو تو شُکر گزار ہوں گا۔"

سُن کر صارِم شیر دل سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کہنے لگا۔ "شہزادے، اِس لَوح کو حاصل کرنے کے لیے ہاتھی کا کلیجا اور شیر کا دِل چاہیے۔ بہت مُشکل بلکہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ لیکن اگر تمہاری مرضی یہی ہے تو مُجھے کیا انکار۔ کل منگل کا دِن ہے۔ صبح سُورج نکلتے ہی قصابوں کے محلّے میں جاؤ۔ وہاں ایک مُوذی قصّاب رہتا ہے جس کا نام سنگ دِل ہے۔ اُس کا قاعدہ ہے کہ

وہ روزانہ انسانی گوشت کے کباب بنا کر بادشاہ کو بھیجا کرتا ہے۔

آج رات تُم سُرمۂ سرطان لگا کر بادشاہ کے محل میں جانا۔ وہ اپنی خواب گاہ میں پڑا سو رہا ہو گا۔ فقیر سبز پُوش کی یہ انگوٹھی بادشاہ کی انگلی میں پہنا دینا۔ اسی وقت بے ہوش ہو جائے گا۔ پھر اُس کو باندھ کر سنگ دِل قصاب کے پاس لے جانا اور کہنا کہ اے سنگ دل قصّاب غور سے سُن۔ بادشاہ سلامت کا حُکم ہے کہ اِسی وقت اِس شخص کو ہلاک کر کے اِس کا کلیجا نکال کر مُجھے دے۔ قصّاب اِس حُکم کی تعمیل کرے گا۔ تُم بادشاہ کا کلیجا لے کر دائیں جانب روانہ ہونا۔

تھوڑی دیر بعد ایک بُلند پہاڑ کے نزدیک پہنچو گے۔ وہاں کبوتر کے خُون کی طرح سُرخ رنگ کا ایک پتھرّ دِکھائی دے گا۔ بادشاہ کا کلیجا اِس پتھرّ پر رکھ دینا۔ اُسی لمحے وہ پھر ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ پھر ہر ریزہ آگ کا شُعلہ بن کر آسمان کی راہ لے گا۔ چند لمحوں بعد ایک جانب سُرخ رنگ کا سانپ نمودار

ہو گا اور وہ بادشاہ کا کلیجا ہڑپ کر جائے گا۔ لیکن ایک بوٹی اِس میں سے چھوڑ دے گا۔ تُم وہیں رُکے رہنا اور اِس سانپ سے ہر گز خوف نہ کھانا۔

اپنا پیٹ بھرنے کے بعد یکایک وہی سانپ قے کرے گا اور چاندی کی ایک لَوح نکال کر باہر پھینک دے گا۔ جب تُم لَوح کو اُٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھاؤ گے تو ایک عقاب ہوا میں اُڑتا ہوا آئے گا اور لَوح کو پنجے میں دبا کر اُڑ جائے گا۔ تُم بُلند آواز سے کہنا کہ اے عقاب تو بھی اپنا حصّہ لے اور لَوح مُجھے دے دے۔ یہ کہہ کر کلیجی کی وہ بوٹی عقاب کو دِکھانا۔ وہ چاندی کی لَوح زمین پر پھینک دے گا اور بوٹی پنجے میں دبا کر پرواز کر جائے گا۔ تُم وہاں سے لَوح لے کر میرے پاس آنا۔ مگر یہ یاد رہے کہ واپسی کے وقت بھی سُرمۂ سرطان آنکھ میں ضرور لگا ہو۔"

شہزادے نے اِن تمام ہدایات پر پورا پورا عمل کیا اور عقاب سے چاندی کی لَوح حاصل کر کے اور سُرمۂ سرطان آنکھ میں لگا کر واپس شہر کی جانب

آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ شہر کے سب لوگ آپس میں جنگ کر رہے ہیں۔ ہر طرف کشت و خُون ہو رہا ہے۔ لاشیں گلی کوچوں میں پڑی ہیں۔

بے شمار زخمی بھی پڑے تڑپ رہے ہیں۔ شہزادہ حیران پریشان تماشا دیکھتا ہوا اُس بُڑھیا کے مکان پر واپس آیا۔ صارِم نے شہزادے سے چاندی کی لَوح لے کر اُسے مکان کے کونے کونے میں گھُمایا تاکہ طِلسم کا اثر جاتا رہے۔ پھر شہزادے کو لے کر مکان کی چھت پر آیا اور کہنے لگا۔ "اے شہزادے، اب اطمینان سے اِن لوگوں کی لڑائی کا تماشا دیکھو۔ لَوح کی برکت سے یہ لوگ مکان کی طرف نہ آسکیں گے۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "بھائی شیر دل، آخر یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کا خُون کیوں بہا رہے ہیں؟"

صارِم نے جواب دیا۔ "بظاہر تو اِس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اِن کا بادشاہ قتل ہوا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر دو برس بعد یہ شہر سیّارہ مِرّیخ کے زیرِ اثر آ

جاتا ہے اور مِرّیخ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ جنگ کا سیّارہ ہے۔ اِسی لیے اِس کا رنگ سُرخ ہے۔ ویسے بھی یہاں کے لوگ مُوذی اور ظالم ہیں اور یہی وبال اِنہیں جہنّم میں پہنچا دیتا ہے۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "آخر اِس شہر کا انجام کیا ہوگا؟"

صارِم نے کہا۔ "بادشاہ کے مارے جانے کے بعد وزیر اور قاضی دونوں تخت پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہیں اور یہ اِن ہی کے گروہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اگر اس جنگ کے بعد بھی کوئی فیصلہ نہ ہوا تو وزیر، قاضی اور شہر کے بچّے کُھچے سب لوگ سُرخ دریا کے کنارے جا کر کائناتِ طِلسم کے بادشاہ سے فیصلہ طلب کریں گے۔ اِس وقت ایک ہنگامہ برپا ہوگا اور وہ معرکہ بھی تمہاری نظر سے گزرے گا۔ فی الحال تو اِن کی لڑائی کا لُطف اٹھاؤ۔"

شہزادے نے دیکھا کہ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، خُون کا ایک دریا دِکھائی دیتا تھا اور لڑنے والوں کے نعروں کی آواز پانچویں آسمان تک جاتی

تھی۔ جب دونوں طرف کے کئی ہزار لوگ قتل ہو چکے تو ایک بُڈّھے نے
میدان میں نکل کر طبل بجایا۔ دوسری طرف سے بھی ایک بُڈّھا آیا اور اِس
نے نقّارہ بجایا۔ یہ گویا اعلان تھا کہ اب جنگ بند کی جاتی ہے۔

اِس ہنگامے کے تین دِن بعد تمام لوگ وزیر اور قاضی سمیت دریائے
سُرخ کے کنارے جمع ہوئے۔ صارِم شیر دِل بھی شہزادے کو اپنے ساتھ
لے گیا اور ایک بُلند ٹیلے پر کھڑا کر دیا۔ دریا کے کنارے ایک عالی شان
محل تھا جس کے تمام در و دیوار یاقوت اور لعل کے تھے۔ وزیر محل کے
دروازے کے دائیں جانب اور قاضی اپنے ہمراہیوں سمیت بائیں جانب
چُپ چاپ کھڑا ہوا۔ پھر سب نے زور زور سے ایک منتر پڑھنا شروع کیا۔

ناگاہ زمین اور آسمان میں تاریکی چھاگئی۔ اس تاریکی میں بہت بُلندی پر ایک
بڑے سُرخ بِچھّو کی تصویر نمودار ہوئی۔ اِس وقت دریا میں زبردست طوفان
آیا اور اتنا شور مچا کہ کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ اِس کے بعد دریا میں

ایسی خوف ناک اور ڈراؤنی شکل نظر آئی کہ تمام اگلے اور پچھلے طِلسموں میں

شہزادے نے نہ دیکھی تھی۔ اگرچہ بازو پر چاندی کی لَوح بندھی تھی پھر بھی

دہشت سے شہزادے کا سارا بدن بید کی مانند کانپنے لگا۔ وہ خوف ناک

صورت ایک بُچھّو کی تھی جس کی لمبائی ایک ہزار گز اور چوڑائی پانچ سو گز سے

کم نہ ہوگی۔ اس کی دم چار سو گز لمبی تھی اور آسمان کی جانب اُٹھی ہوئی نظر

آتی تھی۔ آنکھوں کی جگہ آگ کے شُعلے دہک رہے تھے۔ اِس زبردست

بُچھّو کی پیٹھ پر ایک خوں خوار صورت سوار تھا جس کا جسم آئینے کی طرح

صاف و شفاف تھا۔ اِس شخص کے دونوں ہاتھوں اور پیروں میں ناخنوں

کے بجائے تیز دھار کے چمکتے ہوئے خنجر لگے تھے۔ وہ بُچھّو دریا میں جس

قدر راہ طے کرتا، خود بخود پانی میں آگ لگتی جاتی تھی۔ سب لوگ بُچھّو اور

اس کی پیٹھ پر بیٹھے ہوئے سوار کو دیکھ کر بے حس و حرکت ہو گئے۔ یکایک

اُس سوار کے مُنہ سے آگ کے شُعلے نکلے اور لوگوں کی طرف آئے۔ فضا

میں ہولناک چیخیں سُنائی دیں۔ پھر تاریکی دُور ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اِن شُعلوں نے قاضی اور اُس کے سب ساتھیوں کو جلا کر خاک کر دیا ہے۔

درباریوں نے وزیر کو تخت ملنے کی مبارک باد دی۔ اُس کا نام بخشی تھا۔ سب لوگ اُس کو درمیان میں لیے واپس شہر کی طرف آئے۔ شہزادہ بھی صارِم شیر دِل کے ساتھ بُڑھیا کے مکان میں آیا۔ صارِم نے پوچھا :

"اے شہزادے، بتاؤ، کبھی ایسا تماشا بھی دیکھنے میں آیا تھا؟"

شہزادے نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا :

"خُدا کی پناہ! ایسا تماشا خُدا دُشمن کو بھی نہ دِکھائے۔ میری تو اُس بِچھّو کو دیکھ کر ہی روح فنا ہو گئی۔"

صارِم نے ہنس کر کہا۔ "جناب، ابھی تو آپ کی ملاقات اُسی بِچھّو سوار سے ہوگی۔ ذرا دِل کو سنبھالے رکھیے گا۔"

بُدھ کے روز صُبح کے وقت صارِم شیر دِل نے شہزادے سے کہا۔ "اے شہزادے، جو محل سُرخ دریا کے کنارے پر ہے، تُم وہاں جاؤ اور پانچویں ساعت میں دریا کے پانی کو نظر جما کر دیکھو۔ اس جگہ پانی میں کُچھ ایسی لہریں مچل رہی ہوں گی جیسے کاغذ کی سطح پر کوئی عبارت لکھتے ہیں۔ اُسی وقت چاندی کی لَوح کو دریا میں تین بار غُسل دینا۔ پھر جو سوال لَوح سے کرو گے، جواب حاصل ہوگا۔"

شہزادہ سُرخ دریا کے کنارے پہنچا۔ ٹھیک پانچویں ساعت میں لہریں مچلنے لگیں اور واقعی یُوں لگا جیسے پانی پر کوئی تحریر لکھی جا رہی ہو۔ شہزادے نے لَوح نکال کر تین بار پانی میں ڈبوئی، پھر پوچھا:

"اے لَوح، اب مُجھے بتا کہ آئندہ کیا کروں؟"

پلک جھپکتے میں چاندی کی لَوح پر سونے کے حروف میں یہ عبارت ظاہر ہوئی:

"اے طِلسم عقرب کی سیر کرنے والے شہزادے، اِس لَوح کا رُخ سُورج کی طرف کر دے تاکہ لَوح میں سے سُورج کا عکس نکل کر محل کے دروازے پر پڑے۔ جب تک یہ عمل نہ کرے گا، محل کا دروازہ ہرگز ہرگز نہ کھلے گا۔ جب دروازہ کُھلے بے دھڑک اندر چلے جانا اور وہاں جو معاملہ پیش آئے اُس کے مطابق عمل کرنا۔ اگر کوئی اُلجھن ہو تو لَوح کو دیکھنا۔ شہزادہ اِس حُکم کے مطابق دروازے سے محل کے اندر گیا۔ وہاں سنّاٹا تھا۔ آدم نہ آدم زاد۔ جِن نہ پری، نہ دیو۔ سیر کرتا اور محل کے عجائبات ملاحظہ کرتا ہوا آخر دوسرے دروازے سے باہر نکلا۔ چند قدم چلنے کے بعد آسمان سے باتیں کرتا ہوا ایک سُرخ پہاڑ نظر آیا۔ پہاڑ کی چوٹی پر پر ایک عالی شان مکان سُرخ پتھرّوں کا بنا ہوا تھا۔ شہزادہ پہاڑ پر چڑھ کر اِس مکان میں گیا۔ وہاں جا بجا اور بھی مکان نظر آئے۔ ایک چھوٹا سا باغ بھی دِکھائی دیا۔ شہزادہ گھومتا پھرتا سب مکانوں میں گیا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ سب سے

آخری مکان کے اندر ایک شہزادی سُرخ لباس پہنے تخت یاقوت پر بیٹھی روتی ہوئی دِکھائی دی۔

اُس نے قدموں کی آہٹ پا کر گردن گھُمائی اور آنسو پُونچھ کو بولی۔ "اے نوجوان، میری کہانی غور سے سُن اور یقین کر کہ دُنیا میں مُجھ سے زیادہ مُصیبت زدہ اور کوئی نہ ہو گا۔ یہاں نزدیک ہی ایک شہر آباد ہے جسے حشمت نِگار کہتے ہیں۔ میں وہاں کے بادشاہ کی بیٹی ہوں اور میرا نام شہزادی گُل گونہ ہے۔ میرے باپ کو حشمت شاہ کہتے ہیں۔ اِس مکان میں کُچھ عجیب و غریب لوگ گھُس آئے ہیں۔ ہر شخص کا قد دس گز سے کم نہ ہو گا۔ دو آنکھوں کے بجائے پیشانی کے بیچ میں صرف ایک آنکھ ہے اور انگارے کی مانند دہکتی ہے۔ اِس کے علاوہ ہر شخص کے گال پر تلوار کے زخم کا نشان بھی نظر آتا ہے۔ یہ عجیب مخلوق ایک رات مُجھے محل سے اُٹھا کر یہاں لے آئی۔ یہ لوگ مُجھ سے بولتے ہیں، نہ بات کرتے ہیں۔ صرف

کھانا بھجواتے ہیں۔ چند بار میرے باپ نے فوج لے کر اِن پر حملہ کیا لیکن ان پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کرتا۔

اب دوسرا قصّہ سُنو، اِس پہاڑ میں سُرخ رنگ کا ایک مُوذی درندہ بھی پیدا ہوتا ہے جس کی شکل و صورت بُچھّو سے ملتی جُلتی ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ بُچھّو کی آنکھیں دِکھائی نہیں دیتی مگر اِس درندے کی آنکھیں ایسی ہیں جیسے گائے کی۔ ایک آنکھ کے لوگ اِس درندے کو تیر سے مارتے ہیں اور اِس کی چربی نکال کر اپنے جسم پر ملتے ہیں۔ اِن لوگوں کی تعداد تین سو بہتّر ہے۔ بیس اِن کے سردار ہیں اور باقی سب ماتحت۔"

ابھی شہزادی گُل گونہ یہ قِصّہ سُنا ہی رہی تھی کہ ایک دم وہ سب کے سب ملعون آن پہنچے۔ شہزادے کو اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ اپنے بچاؤ کی تدبیر سوچتا یا کم از کم سُرمہ لگا کر ہی اِن کی نگاہوں سے غائب ہو جاتا۔ اُنھوں نے شہزادے کو پکڑ کر ایک اُونچے طاق پر بٹھا دیا اور گُل گونہ سے کہا:

"اے شہزادی، آج ہمارا جی چاہتا ہے کہ اِس آدم زاد کے گوشت کا شوربا پیئیں۔ تُو جلدی سے اِس کا شوربا بنا دے۔ سخت بھُوک لگی ہے۔"

شہزادی نے کہا۔ "دیکھتے نہیں کہ یہ آدم زاد کتنا کمزور ہے؟ بے چارے کے جسم میں جان نہیں۔ ہڈّیاں ہی ہڈّیاں ہیں۔ گوشت کا نشان نہیں۔ چند دِن صبر کرو۔ جب اِس پر خوب چربی چڑھ جائے گی اور یہ موٹا تازہ ہو گا تب اِس کا شوربا پکا دوں گی۔"

یہ سُن کر وہ خاموش ہو رہے اور جو شکار جنگل سے لائے تھے، اُس کا گوشت پکا کر کھایا۔ اِتنے میں شہزادے کے حواس درست ہوئے۔ جھٹ لَوح سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"ملعون مخلوق جس کے پھندے میں تُم پھنس گئے سیّارہ مِرّیخ اور عقرب کی اولاد کہی جاتی ہے۔ جب یہ تمھیں دیکھے تو فوراً سُرمہ سرطان آنکھوں میں لگا کر شہر حشمت نِگار میں جانا۔ وہاں بَقّالوں (کنجڑوں) کے محلّے میں ایک

بقّال رہتا ہے جس کا نام عُبید ہے ۔ اس کی دُکان پر تین مَن وزن کا ایک فولادی پتھرّ پڑا ہے جِس پر اِس شہر کے سات بادشاہوں کی مُہریں لگی ہیں ۔ تُم وہ فولادی پتھرّ عُبید سے خرید لینا اور پھر لوہاروں کے محلّے میں جانا ۔ وہاں بہرام نام کا ایک لوہار ملے گا ۔ بہرام سے کہنا کہ میرے لیے اِس فولادی پتھرّ سے ایک تلوار بنا دے ۔ جو اُجرت کہے گا دوں گا ۔

بہرام سے تلوار بنوا کر حشمت شاہ کے پاس جانا اور اُس سے فوج لے کر اِن ایک آنکھ والے مُوذیوں پر حملہ کرنا ۔ اُس وقت چاندی کی اِس لَوح کو اپنے دائیں بازو پر باندھ لینا ۔ لَوح کی برکت سے اِن کا کوئی وار کارگر نہ ہو گا ۔ لیکن وہ مُوذی سوائے اِس تلوار کے جو بہرام بنا کر دے گا، کسی اور ہتھیار سے ہرگز ہلاک نہ ہوں گے ۔

ان سب کو اِسی تلوار سے موت کے گھاٹ اُتار کر بعد میں شہزادی گُل گونہ کی شادی بہرام کے لڑکے اسد سے کر دینا ۔ بہرام دراصل اِس ملک کے

ایک سالار کی اولاد میں سے ہے۔ اِس خدمت کے بدلے بہرام سے فرمائش کرنا کہ تمھیں عملِ حَدِید سِکھائے۔ اِن کاموں سے فارغ ہو کر لَوح کا معائنہ کرنا۔"

قصّہ مُختصر، شہزادہ اسماعیل آنکھوں میں سُرمہ لگا کر اِس مکان میں سے غائب ہوا اور شہر حشمت نِگار میں پہنچ کر عُبید بقّال سے ملا۔ اِس سے اشرفیوں کے بدلے میں وہ فولادی پتھّر خریدا۔ وہاں سے بہرام لوہار کے پاس آیا اور کہا کہ اِس فولاد کی ایک شمشیر مُجھے بنا دو۔ بہرام نے پہلے فولاد کو دیکھا۔ پھر شہزادے کو اوپر سے نیچے تک۔ آخر یوں بولا:

"اے نوجوان، یہ فولاد معمولی نہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں اس پر حشمت نِگار شہر کے سات پُرانے بادشاہوں کی مُہریں لگی ہیں۔ اِس فولاد کی تلوار بنانا بچّوں کا کھیل نہیں ہے۔ اِس میں نہایت محنت سے کام لینا پڑے گا اور خُدا جانے تُم میری محنت کا معاوضہ بھی ادا کر سکو گے یا نہیں۔"

شہزادے نے کہا۔ "اے بہرام، تمھیں اِس فولاد کی تلوار سب کام چھوڑ کر بنانی ہوگی۔ رہا اُجرت کا سوال تو وہ تُم بیان کرو۔ خُدا نے چاہا تو میں ادا کروں گا۔"

بہرام لوہار شہزادے کو بڑی منّت خوشامد سے اپنے گھر لے گیا اور اُس کے لیے کھانا پکوایا جس کا سالن سُرخ رنگ کا تھا، یہاں تک کہ چاول اور روٹیاں بھی سُرخ تھیں۔ دیکھنے میں کھانا خُوش رنگ، مگر چکھنے میں سخت بد ذائقہ ثابت ہوا۔ شہزادے نے بہرام کا دِل رکھنے کے لیے چند لُقمے کھائے۔ بہرام نے کہا:

"اے شہزادے، اب میری کہانی غور سے سُن۔ میرے بزرگ ہمیشہ سے اِس سلطنت میں سپہ سالار کے عہدے پر فائز ہوتے رہے ہیں۔ بلکہ شروع میں مَیں بھی موجودہ بادشاہ حشمت شاہ کی فوج کا سالار تھا۔ میرا ایک بیٹا اسد نام کا ہے۔ اِس نے حشمت شاہ کی بیٹی گُل گونہ سے شادی کی

خواہش کی۔ میرے دُشمنوں نے نمک مرچ لگا کر بادشاہ کو جھوٹی سچّی کہانیاں اس بارے میں سُنائیں۔

"آخر بادشاہ طیش میں آیا اور مُجھے سپہ سالاری کے عُہدے سے ہٹا دیا۔ اِس کے بعد میری ساری جائداد ضبط کرلی۔ میں بھوکا مرنے لگا۔ مجبور ہو کر یہ لوہار کا پیشہ اختیار کیا ہے۔ اِس کے بعد شہزادی گُل گونہ کو بھی ایک آنکھ کی مخلوق اُٹھا کر لے گئی۔ اِدھر میرے بیٹے اسد کا غم سے بُرا حال ہے نہ کُچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ بس ہر وقت آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے۔

پچھلی رات مُجھے خواب میں ایک بزُرگ دِکھائی دیے۔ اُنہوں نے کہا کہ اے بہرام، خوش ہو کہ تیری پریشانیوں کا زمانہ کٹ گیا۔ اِس حُلیے کا ایک شہزادہ تیرے پاس آنے والا ہے۔ اِس کے قبضے میں مقدّس فولادی پتھرّ ہو گا۔ تُو اِسے فولاد کی تلوار بنا کر دینا اور اُجرت کے بدلے میں یہ وعدہ لینا کہ وہ شہزادی گُل گونہ کو ایک آنکھ والی مخلوق کے قبضے سے آزاد کرانے کے بعد

اسد سے شادی کرا دے اور حشمت شاہ سے سفارش کر کے دوبارہ سپہ سالاری کا عہدہ تجھے دِلوائے۔"

بہرام کی کہانی سُن کر شہزادے نے کہا۔ "ٹھیک ہے تُم پہلے تلوار تو بناؤ۔ بعد میں جو کُچھ ہو گا، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔"

بہرام نے دِن رات محنت کر کے پانچ روز میں تلوار بنا دی۔ اور یہ حیرت انگیز بات تھی کہ آگ میں تپانے اور ہتھوڑا مارنے کے باوجود اِس فولاد پر شاہی مُہریں قائم رہیں۔ اِن کا ایک حرف بھی مٹنے نہ پایا۔

شہزادہ یہ تلوار لے کر سیدھا حشمت شاہ کے دربار میں پہنچا اور کہا کہ اپنا لشکر لے کر میرے ساتھ چل تاکہ میں ایک آنکھ والی مخلوق سے تیری بیٹی کو آزاد کراؤں۔ حشمت شاہ کو بھی خواب میں اُسی بزُرگ نے شہزادے کے آنے کی خوش خبری دی تھی جنھیں بہرام نے خواب میں دیکھا تھا۔ شہزادے کو دیکھ کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اُس نے تلوار دیکھی۔ تلوار پر

لگی ہوئی سات شاہی مُہریں دیکھیں۔ پھر اپنے لشکر سمیت شہزادے کے

ساتھ روانہ ہوا۔

صارِم شیر دل

ایک آنکھ والے مُوذیوں تک خبر پہنچی تو وہ مُقابلے کے لیے میدان میں نکلے۔ لیکن ایک ایک کر کے شہزادے کی فولادی تلوار سے مارے گئے۔ حشمت شاہ کی بیٹی آزاد ہو گئی۔ بادشاہ نے شہزادے کو شہر میں لانے کی التجا کی، جسے شہزادے اِس شرط پر منظور کیا کہ بادشاہ اپنی بیٹی کی شادی بہرام کے لڑکے اسد سے کر دے۔ بادشاہ نے خُوشی سے یہ شرط منظور کی اور اگلے روز شادی کا جشن بڑی دھوم دھام سے برپا ہوا۔ بادشاہ نے

بہرام کو بھی دوبارہ فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔

اِن کاموں سے فارغ ہو کر شہزادے نے بہرام سے دو روز اور ایک رات میں عملِ حَدید حاصل کیا۔ پھر لَوح کو دیکھا۔ حُکم ملا کہ جس مکان میں شہزادی گُل گونہ قید تھی اُسی مکان میں بیٹھ کر یہ نیا عمل کرو۔ شہزادے نے اِس مکان کے صحن میں اپنے گرد بڑا حِصار (لکیر) کھینچا اور حِصار کے دائرے پر جا بجا خنجریوں گاڑے کہ اُن کی نوکیں زمین سے باہر نکل رہیں اور قبضے زمین میں گڑے رہیں۔ اِس کے بعد عمل پڑھنے میں مصروف ہوا۔ پہلی رات ہی اِس مکان میں شیر چیتے طرح طرح کی بھیانک شکلیں بنا کر گرجتے غرّاتے داخل ہوتے اور اِس قدر غُل مچایا کہ شہزادہ ڈر گیا۔ لیکن جب چاندی کی لَوح بازو پر باندھ لی تو پھر طبیعت میں کسی قسم کا خوف نہ رہا۔ آہستہ آہستہ سب درندے مکان سے باہر نکل گئے۔

دوسری رات بے شمار ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے مکان میں آئے۔ اُن کے

پیروں کی دھمک سے مکان کی دیواریں اور چھتیں ہلنے لگیں اور شہزادے کو یوں محسوس ہوا جیسے ابھی سارا مکان دھڑام سے اُس کے اوپر گرے گا۔ ہاتھیوں نے دیکھتے دیکھتے پورا مکان برباد کر دیا۔ لیکن اُس حِصار میں قدم نہ رکھ سکے جس کے اندر شہزادہ بیٹھا عمل پڑھ رہا تھا۔

تیسری رات دُنیا بھر کے درندے پھر اُس جگہ گھُس آئے اور اُنھوں نے حِصار کے اندر آنے کی کوشش کی، لیکن دائرے کی لکیر پر گڑے ہوئے خنجروں نے انھیں زخمی کر دیا۔ ایک ثانیے کے اندر اندر اِن درندوں کی گردنوں سے اِس قدر خون نکلا کہ ایک بڑا چشمہ سا بن گیا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی خُون ہی خُون دِکھائی دیتا تھا۔ مگر خُون کا ایک قطرہ بھی حِصار کے اندر نہ گِرا۔ شہزادہ برابر عمل پڑھنے میں مصروف تھا۔ یکایک اُس نے دیکھا کہ خُون کے اِس دریا میں ہزاروں سُرخ رنگ کی کشتیاں پیدا ہوئیں۔ اِن کشتیوں پر بادشاہی ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ اِن کشتیوں کے پیچھے ایک کشتی

صندل کی نمودار ہوئی۔ اِس کشتی میں ایک بھیانک اور ڈراؤنی صورت کی عورت سوار تھی۔ جس کے دیکھنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ وہ عورت سر سے لے کر پاؤں تک ہتھیاروں سے لیس تھی۔ اس نے بڑی ہیبت ناک آواز میں شہزادے سے پُوچھا :

"اے جوان، تُونے ہمیں کس واسطے طلب کیا ہے ؟"

شہزارے نے جواب دیا۔ "حِصارِ آبی کے دوسرے حاکم سے فرمان لینے آیا ہوں۔"

عورت نے اُنگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ شہزادے نے نظر اُٹھائی۔ زمین اور آسمان کے درمیان ایک صورت سُرخ پوش دکھائی دی جس کے بدن سے آگ کے شُعلے نکلتے تھے۔ اُس صورت نے نمودار ہوتے ہی خُون کے دریا میں زبردست طوفان آیا۔ شہزادے نے غور سے دیکھا تو یہ وہی بِچھّو سوار تھا جس کو عقربی لوگ اپنا خُدا مانتے تھے۔ کشتی والی

عورت نے اُس بِچھّو سوار سے اجازت لے کر شہزادے کو فرمان دیا۔ اِس کے بعد شہزادے نے حِصار کے کنارے میں گڑے ہوئے خنجر نکال لیے۔ خنجر نکالتے ہی تمام کشتیاں غائب ہو گئیں اور رفتہ رفتہ خُون کا وہ عظیم دریا بھی خشک ہو گیا۔ یکایک ایک ہیبت ناک آواز آسمان سے آئی جسے سُن کر شہزادہ بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا، اپنے آپ کو اس محل میں دیکھا جہاں پہلی مرتبہ پہنچا تھا۔ وہاں بہت سی سُرخ پُوش پریاں دکھائی دیں۔ گویا انہیں شہزادے ہی کا انتظار تھا۔ اُن کی مَلِکہ گُل رُخسار لعل پوش نے شہزادے کا استقبال کیا۔ مَلِکہ گُل رُخسار طِلسم عقرب کی سرحدوں کی نگران تھی۔

پانچ دن شہزادہ وہاں رہا۔ چھٹے روز صبح آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو سُرخ دریا کے کنارے پایا۔ تھوڑی دیر بعد چند لوگ آتے دِکھائی دیئے جن کے ساتھ جنازے کا ایک تابوت تھا۔ انہی لوگوں میں صارِم شیر دِل بھی شامل تھا۔

شہزادے نے صارِم سے پوچھا :

"اے بھائی، یہ تابوت کس کا ہے؟"

صارِم نے رنج سے بھری ہوئی آواز میں جواب دیا :

"اے شہزادے، آج اُس بُڑھیا نے انتقال کیا جس کے مکان میں تُم نے کئی دِن قیام کیا تھا۔" یہ سُن کر شہزادے کو صدمہ ہوا اور خود بھی جنازے کے ساتھ ہو لیا۔

صارِم شیر دِل نے بُڑھیا کو دفن کرنے کے بعد شہزادے سے سارے حالات سُنے اور کہا کہ اب بہتر یہ ہے کہ چاندی کی لَوح جہاں سے لائے ہو، وہیں پہنچا دو۔ شہزادہ سُرخ پہاڑ گیا اور لَوح وہاں رکھ دی۔ دیکھتے دیکھتے لَوح نظروں سے غائب ہو گئی۔ وہاں سے شہزادہ پھر صارِم شیر دِل کے پاس آیا۔ صارِم نے ایک رات شہزادے کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ صُبح کے

وقت فقیر سبز پوش کی دی ہوئی انگوٹھی اُس سے لے لی اور اُس کے بدلے
میں اپنی یاقوتی انگوٹھی دے کر شہزادے کو اگلی منزل کی جانب روانہ کیا،
جس کا نام طِلسمِ حُوت (مچھلی کا جادُو) تھا۔

صارِم نے رُخصت کے وقت شہزادے سے کہا: "تُم دریائے سُرخ کے
کنارے کنارے چلو۔ ایک دو دِن کے سفر کے بعد ایسی جگہ پہنچو گے جہاں
دریا کا پانی کُچھ گدلا گدلا دِکھائی دے گا۔ میری اِس یاقوتی انگوٹھی کو پانی میں ڈبو
کر نکال لینا۔ اُسی وقت ایک کشتی دریا کے اندر سے نمودار ہوگی۔ تُم اِس
کشتی میں سوار ہو کر کہنا کہ اے کشتی، تُو مُجھے گردابِ ماہیان میں پہنچا دے۔
کشتی اُسی وقت بھنور میں داخل ہو کر ڈوب جائے گی۔ تُم اس وقت آنکھیں
بند رکھنا۔ جب اِس زبردست بھنور سے نکلو گے، سامنے ہی ایک شہر نظر
آئے گا جس کا نام گوہر آویز ہے۔ شہر کے بارہ دروازے ہیں اور ہر
دروازے پر مُرغی کے انڈے کے برابر ایک موتی لٹکا ہوا ہے۔ اِسی لیے

شہر کو گوہر آویز کہتے ہیں۔ تم شہر میں جا کر ابوالمحاسن مُعلّم کا مکان پوچھنا اور میرا اسلام کہہ کے یاقوتی انگوٹھی اُسے دِکھانا۔"

شہزادہ دریائے سُرخ کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ ایک دِن بعد ایسے مقام پر پہنچا جہاں دریا کا پانی گدلا تھا۔ قریب ہی صندل کا ایک درخت دِکھائی دیا۔ جس کی خوش بُو تمام صحرا میں پھیلی ہوئی تھی۔ شہزادے نے انگوٹھی کو پانی میں غُسل دیا۔ چند لمحے بعد خُود بخود ایک کشتی پانی کی تہ میں سے اُبھری۔ شہزادہ اُس پر سوار ہوا۔ کشتی تیزی سے چلی اور گردابِ ماہیان میں جا کر ڈوب گئی۔ شہزادے نے اُس وقت آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو شہر گوہر آویز کے ایک دروازے پر کھڑے پایا۔ شہزادہ شہر کے اندر گیا۔ ایک راہ گیر سے ابوالمحاسن کا مکان پوچھا۔ اس نے کہا:

"اے نوجوان، تُجھے خبر نہیں ابوالمحاسن یہاں کے بادشاہ سعدان شاہ کا اُستاد ہے؟ اُس کا نام ہمیشہ ادب سے لینا چاہیے۔ وہ تُجھے اپنے مدرسے میں ملے

گا۔"

شہزادہ پتا پوچھتا پوچھتا اُس مدرسے میں پہنچا۔ دیکھا کہ ایک شخص بڑے غرور سے اونچی مسند پر بیٹھا ہے۔ اِرد گرد سینکڑوں طالبِ علم ادب سے گردنیں جھُکائے سبق پڑھ رہے ہیں۔ شہزادہ بڑی مُشکل سے راستہ بناتا ہوا ابوالمحاسن تک پہنچا اور سلام کیا۔ اُس نے نہایت بے پروائی سے سلام کا جواب دیا۔ شہزادے کو اِس کا یہ تکبّر بہت ناگوار گزرا لیکن اپنا غصّہ ضبط کر کے خاموش کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد جب ابوالمحاسن نے شہزادے کی طرف نگاہ اُٹھائی۔ اُس نے صارِم شیر دِل کا سلام پہنچا کر یاقوتی انگوٹھی دکھائی۔ مُعلّم نے کُچھ جواب نہ دیا اور اپنے مکان کی طرف چلا گیا۔ شہزادہ سخت شرمندہ ہو کر ایک گوشے میں جا بیٹھا اور سوچنے لگا کہ یہ ابوالمحاسن کس قسم کا آدمی ہے۔

قریب ہی ایک حُجرے سے ایک نوجوان صندلی رنگ کے کپڑے پہن کر

نکل آیا اور شہزادے کو اپنے پاس بُلا کر حال پوچھا۔ شہزادے نے اپنی رام کہانی شروع سے آخر تک کہہ سُنائی اور آخر میں کہا کہ صارِم شیر دِل نے مُجھے ابوالمحاسن مُعلّم کے پاس بھیجا ہے لیکن اس شخص کے حد سے زیادہ غُرور اور تکبّر کی وجہ سے مُجھے کام یابی کی اُمّید نہیں۔

اس نوجوان کا نام شہاب تھا۔ ساری داستان سُن کر وہ کہنے لگا۔ "اے اجنبی، تُجھے غَلط فہمی ہوئی ہے۔ اِس شخص کا نام ابوالمحاسن نہیں۔ اِسے غادی کہتے ہیں۔ کسی زمانے میں یہ حکیم ابوالمحاسن کا شاگرد تھا اور اُستاد کی شان میں گُستاخیاں بہت کرتا تھا۔ دراصل اِسے یہ وہم ہو گیا کہ وہ اپنے اُستاد سے بھی زیادہ قابل ہے۔ اِس کے بعد اُس نے سعدان شاہ کے دربار میں آنا جانا شروع کیا اور اُس کی خوشامد کر کے مُصاحبوں میں شامل ہو گیا۔ یہ حالات دیکھ کر حکیم ابوالمحاسن نے کنارہ کشی اختیار کی اور کوہستان میں جا کر ایک گُنبد میں رہنے لگے۔ اب وہ وہیں ہیں اور دِن رات خُدا کی عبادت

کے سوا اور کوئی کام نہیں کرتے۔ مُجھے حکیم صاحب نے ہی یہاں بھیجا ہے
اور کہا ہے کہ جب تُم آؤ تو میں تمھیں اُن کی خدمت میں لے چلوں۔"

شہزادہ شہاب کے ساتھ روانہ ہوا۔ وہ شہزادے کو شہر سے باہر ایک پہاڑ پر
لے گیا۔ وہاں ایک گُنبد خالص سونے کا نظر آیا جس کے دروازے صندل
کی لکڑی کے تھے۔ اس گُنبد کے دروازے کے سامنے صندلی رنگ کا
ایک بڑا شیر بیٹھا تھا۔ شیر نے اِن دونوں کو جو آتے دیکھا تو جبڑا کھول کر
بڑی بھیانک آواز میں غرّایا، جس کا مطالب تھا کہ خبردار! جو اِدھر آئے،
ورنہ پھاڑ کھاؤں گا۔

شہاب نے اونچی آواز سے کہا۔ "اے پہاڑی شیر، میں حکیم ابوالمحاسن
کے حُکم سے اِس جوان کو یہاں لایا ہوں۔ راستہ دے دے۔"

یہ سُن کر وہ شیر اُٹھ کر پرے جا کھڑا ہوا اور محبّت سے دُم ہلانے لگا۔ یہ
دونوں گُنبد میں داخل ہوئے۔ شہزادے نے دیکھا کہ گُنبد کے اندر ایک

نورانی صورت کے بزُرگ مصلّے پر بیٹھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ تمام گُنبد اُن بزرگ کے نُور سے روشن ہے۔ یہ دونوں ادب سے ایک طرف بیٹھ گئے۔

کُچھ دیر بعد بزُرگ نے سلام پھیرا اور اِن کی جانب دیکھا۔ شہزادے نے ادب سے سلام کیا۔ حکیم ابوالمحاسن نے شفقت سے جواب دیا کہ تُجھ پر بھی سلام ہو، اے اسماعیل۔ خُدا کا شکر ہے کہ تُم آئے۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔ خوش ہو جاؤ کہ اِس زبردست طِلسم کے تمام حصّوں پر تُم نے فتح پائی۔ اب تمہارے والد سلطان مہدی اور اُن کے ساتھیوں کی آزادی کا وقت قریب آگیا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ آنکھوں کی سوئیاں باقی ہیں۔

شہزادے نے صارِم شیر دِل کا سلام پہنچایا اور انگوٹھی پیش کی۔ پھر کہا کہ حضرت کی توجّہ اور مہربانی ہو تو یہ سوئیاں بھی نکل سکتی ہیں۔ حکیم صاحب نے جواب دیا کہ آج یہاں آرام کرو۔ خُدا نے چاہا تو کل میں تمہیں منزلِ

مقصود کی جانب روانہ کروں گا۔

شام کے وقت حکیم صاحب نے زمین پر پاؤں مارا۔ زمین پھٹی اور بہت سی پریاں نمودار ہوئیں۔ اُنھوں نے گُنبد کے اندر مخمل کا فرش بچھایا۔ پھر دستر خوان لے کر آئیں اور اس پر ہزاروں قسم کے پھل، میوے، لذیذ کھانے اور شربت چینی اور بِلّوریں برتنوں میں سجائے۔ شہزادے اور شہاب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور سو گئے۔

صُبح تینوں نے فجر کی نماز ادا کی، پھر حکیم ابوالمحاسن نے ایک رُقعہ اپنے قلم سے لکھ کر شہزادے کو دیا اور فرمایا:

"اے شہزادے، یہاں سے بارہ میل مغرب کی جانب مُراد نام کا ایک پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر نہایت عالی شان محل بنا ہوا ہے۔ اس میں سعدان شاہ کی بیٹی شہزادی مُشتری طلعت رہتی ہے۔ تُم اس کے پاس جا کر کہنا کہ اپنے باپ سے اسلحہ خانے سے وہ مقدّس زِرہ منگوا دے جو

تیرے خاندان میں کئی پُشتوں سے چلی آتی ہے۔ جب وہ زِرہ منگوا دے تو دیکھنا کہ اس کے گریبان میں مچھلی کی ایک بڑی سی آنکھ لگی ہوئی ہوگی۔ وہ آنکھ اُس میں سے نکال کر پاس رکھنا۔ اِس کے بعد یہ کاغذ دیکھنا جو میں نے تمھیں دیا ہے۔"

شہزادہ حکیم صاحب سے رُخصت ہو کر بارہ دِن کی مدّت میں کوہ مُراد پر پہنچا۔ وہاں ایسا عظیم الشّان محل نظر آیا کہ بے اختیار عش عش کرنے لگا۔ محل کے دروازے پر سپاہیوں کا ایک دستہ پہرا دے رہا تھا۔ شہزادہ اس دستے کے سردار سے ملا اور کہا کہ میں شہزادی مُشتری طلعت سے ملنے آیا ہوں حکیم ابوالمحاسن کا سلام لایا ہوں۔ سپاہیوں کا سردار حکیم صاحب کا نام سن کر نہایت خوش ہوا اور فوراً شہزادی کو اطلاع کی۔

شہزادی نے شہزادہ اسماعیل کو محل کے اندر بلا لیا اور نہایت عزّت سے سونے کی کُرسی پر بٹھایا۔ پھر کہنے لگی:

”فرمائیے، کس غرض سے تشریف لائے ہیں، حکیم صاحب نے مجُھے بچپن میں پڑھایا ہے، اِس لیے میں اُن کی اپنے باپ کی طرح تعظیم کرتی ہوں۔“

شہزادے نے مقدّس زرہ طلب کی۔ شہزادی نے اُسی وقت سپاہیوں کے سر دار کو زِرہ لانے کا حُکم دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک صنُدوق لایا جس پر تالا لگا تھا اور اس تالے پر کئی پرانے بادشاہوں کی مُہریں لگی ہیں۔ شہزادی طلعت اور اس کے غُلاموں نے ہر چند تالا کھولنے کی کوشش کی، مگر کسی سے نہ کھلا۔ لیکن جُوں ہی شہزادہ اسماعیل نے تالے کو ہاتھ لگایا، وہ خود بخود کھُل کر گِر پڑا۔ شہزادے نے زِرہ نکالی۔ اس کے گریبان پر ”مقدّس زِرہ“ کے الفاظ لکھے تھے۔ مچھلی کی ایک سنہری آنکھ بھی اِس جگہ لگی تھی۔ شہزادے وہ آنکھ اُکھاڑ کر اپنی جیب میں رکھ لی۔

اِس کے بعد شہزادے نے وہ رُقعہ دیکھا جو حکیم ابو المحاسن نے رُخصت

کرتے وقت دیا تھا۔ اس میں لکھا تھا :

"اے شہزادے، جب تُو گریبان سے مچھلی کی آنکھ نکال لے تب اِس مقدّس زِرہ کو اپنے کُرتے کے نیچے پہن لینا۔ پھر کوہ مُراد کے پرلی طرف جانا۔ وہاں سے سات کوس پر دریائے مُحیط بنتا ہے۔ اِس دریا کے کنارے آدھی رات کو بیٹھ کر ایک ہزار مرتبہ اِسمِ اعظم پڑھنا۔ پَو پھٹنے سے کُچھ پہلے کنارے پر ہزاروں مچھلیاں بھی ہوں گی۔ تُو اپنی جیب سے مچھلی کی سنہری آنکھ نکال کر کنارے پر رکھ دینا۔ اُسے دیکھتے ہی سب مچھلیاں بھاگ جائیں گی۔ لیکن ایک بہت بڑی مچھلی وہیں تیرتی رہے گی۔ وہ مچھلی اِس سُنہری آنکھ کو اپنے مُنہ میں دبا کر لے جانے کے ارادے سے بہت قریب آ جائے گی۔ جوں ہی وہ پانی سے باہر نکلے، اُس کی دُم پکڑ کر کھینچ لینا۔ اِس مچھلی کی دائیں آنکھ میں ایک مُہرہ ہو گا۔ وہ مُہرہ نکال کر مچھلی کو دوبارہ دریا میں پھینک دینا۔ مچھلی اِس قدر غُل مچائے گی کہ دریا میں بڑی بڑی طوفانی

لہریں اُٹھنے لگیں گی۔ تُم اُونچی آواز سے کہنا :

"اے مچھلی، اگر مُجھے اپنے باپ کو طِلسم جمشید کی قید سے آزاد نہ کرانا ہوتا تو تُجھے کبھی تکلیف نہ دیتا۔ خُدا کے واسطے اب میرا قصور معاف کر تاکہ میں اپنی مُراد کو پہنچوں۔ تو اطمینان رکھ۔ میں تیری امانت واپس کر دوں گا۔"

یہ کلمہ سُن کر مچھلی غُل مچانا بند کرے گی اور دریا میں اُٹھنے والی لہریں بھی غائب ہوجائیں گی۔ اِس کارروائی کے بعد پھر کاغذ دیکھنا۔"

شہزادے نے کاغذ پر لکھی ہوئی ہدایات کے مطابق عمل کیا۔ دریا پر پہنچ کر جب اُس عظیم مچھلی کی آنکھ سے مُہرہ نکالا تو اُس کی فریاد سے دریا میں طوفان برپا ہوگیا۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی، پانی ہی پانی دِکھائی دیتا تھا۔ یہ طوفان دیکھ کر شہزادے کے حواس جاتے رہے اور سارا بدن بید کی طرح کانپنے لگا۔ لیکن جب شہزادے نے حکیم ابو المحاسن کے بتائے ہوئے کلمے مچھلی سے کہے تو وہ خاموش ہو گئی اور طوفان بھی تھم گیا۔

شہزادے نے چند لمحے آرام کرنے کے بعد پھر کاغذ کو دیکھا۔ یہ عبارت لکھی نظر آئی :

"اے شہزادے، مُہرہ ماہی (مچھلی کا مُہرہ) ملنے کے بعد دریا کے کنارے کنارے روانہ ہو۔ تین روز کے بعد ایک گہرے کنویں پر پہنچے گا، جس میں سورج ڈوبنے سے کُچھ پہلے دریا کا پانی داخل ہوتا ہے۔ پھر آدھی رات کے وقت وہی پانی کنویں سے باہر نکلتا ہے۔ وہاں رُک کر پانی کے کنویں میں جانے اور آنے کا تماشا دیکھنا۔ آدھی رات کے بعد جب پانی کنویں سے نکلے تو ایک بہت بڑا نیلوفر کا پھول بھی کنویں کے اوپر آئے گا۔ اِس وقت مُہرہ ماہی ہاتھ میں لے کر اِس پھول پر سوار ہو جانا۔ وہ پھول تُجھے محل سعدین میں پہنچا دے گا۔ خبردار! زِرہ کسی وقت بھی بدن سے نہ اُتارنا ورنہ کسی آفت میں گرفتار ہو جائے گا۔"

شہزادہ دریا کے کنارے چلا اور تین روز بعد اُس کنویں کے قریب پہنچا۔

آدھی رات ہوئی تو کنویں میں سے بے تحاشا پانی نکلنا شروع ہوا۔ آخر میں
نیلوفر کا بہت بڑا پھول سطح پر آیا۔ شہزادے نے مُہرہ ماہی ہاتھ میں لیا اور
اُچھل کر پھول میں جا بیٹھا۔ شہزادے کے بیٹھتے ہی وہ طِلسمی پھول فوراً پانی
میں ڈوب گیا۔ شہزادے نے ایک لمحے بعد آنکھ کھولی تو وہاں ایک عظیم
دریا اِس طرح کا دیکھا کہ اُس کا دوسرا کنارہ نظر نہ آتا تھا۔ دریا میں لاکھوں
مچھلیاں اور مگرمچھ صاف تیرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ دریا کو دیکھ کر
خُدا کی قُدرت یاد آئی۔ نیلوفر کا پھُول اب کشتی کی طرح دریا پر تیزی سے بہہ
رہا تھا۔ یکایک بے شمار مگرمچھ اور بڑی بڑی آدم خور مچھلیاں پھول کے
گرد چکّر کاٹنے لگیں۔ تب گھبرا کر شہزادے نے کاغذ پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اے شہزادے، اِن پانی کے جانوروں سے خوف زرہ مت ہو۔ اِن سے
کہو کہ میں مُہرے کا مالک ہوں۔ اگر مُجھے ڈرانے کی کوشش کرو گے تو
سب کو فنا کر دوں۔"

شہزادے نے ایسا ہی کیا۔ اسی وقت تمام مچھلیاں اور مگر مچھ غائب ہو گئے۔ نیلوفر کا پھُول تیزی سے بہتا چلا جا رہا تھا۔ آخر ایسی جگہ، جہاں پانی سر سے بھی اُونچا تھا، یکایک پھول چاروں طرف سے بند ہو گیا۔ شہزادے نے وہاں ایک روشنی دیکھی۔ اِس روشنی میں ایک دروازہ نظر آیا۔ طِلسمی پھول دروازے کے نزدیک پہنچ کر اِس زور سے کھلا کہ شہزادہ آپ ہی آپ پھول میں سے اُچھل کر دروازے میں داخل ہو گیا۔

کیا دیکھتا ہے کہ بہشت کا نمونہ ایک وسیع باغ ہے۔ دیواریں اِس قدر اُونچی ہے کہ نظر کام نہیں کرتی۔ باغ کے درمیان میں ایک بڑا چبوترا تھا اور چبوترے کے بیچ میں ایک مینار جس کی چھ منزلیں تھیں۔ اِس مینار کے نیچے ایک سو برس کا بُڈّھا، ہاتھ میں قلم کاغذ لیے، بوسیدہ سے بوریے پر بیٹھا نظر آیا۔ شہزادے نے چبوترے پر جا کر بُڈّھے کو سلام کیا۔ بُڈّھے نے سلام کا جواب تو دیا مگر کوئی بات نہ کی۔

شہزادے نے پوچھا۔ "بڑے میاں، آپ کون ہیں اور یہ حساب کتاب کیسا کر رہے ہیں؟"

بُڈّھے نے اِس سوال کا بھی کوئی جواب نہ دیا۔ اتنے میں ظُہر کا وقت ہوا۔ بُڈّھے نے باغ میں بہتی ہوئی ایک نہر پر جا کر وُضُو کیا اور نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ شہزادے نے بھی وُضُو کیا اور بُڈّھے کے برابر کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ ابھی ایک رکعت نماز ختم ہوئی تھی کہ مینار پر سے ایک عورت نے آواز دی:

"ابّا جان، کھانا حاضر ہے۔"

یہ سُنتے ہی بُڈّھے نے نماز کی نیّت توڑ دی اور چبوترے سے اُتر کر درختوں میں غائب ہو گیا۔ شہزادے نے نماز سے فارغ ہو کر دیکھا تو اِس بُڈّھے کو مینار کی تیسری منزل میں پایا۔ اِس وقت بُڈّھا کُچھ کھا رہا تھا اور ایک خوبصورت عورت پنکھا جھل رہی ہے۔ بُڈّھے نے شہزادے کو دیکھ کر

مینار ہی پر سے اشارہ کیا کہ آؤ۔ تُم بھی کھانا کھا لو۔ شہزادے نے جواب دیا :

"سبحان اللہ! خوب مہمان نوازی کرتے ہو۔ کیا یہی تہذیب ہے کہ مہمان کو نیچے چھوڑ کر خود اوپر جا پہنچے اور کھانا بھی شروع کر دیا؟ خیر اب یہ فرمائیے کہ میں کس راہ سے آپ کی خدمت میں پہنچوں؟"

بُڈّھے نے درختوں کی طرف اشارہ کیا کہ اُدھر سے آؤ۔ شہزادے نے کہا کہ حضرت، آپ کا اشارہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ زبان سے کہیے تاکہ میں سمجھوں۔ بُڈّھا خاموش ہو رہا اور برابر کھاتا رہا۔ اِس وقت بھوک کے مارے شہزادے کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔

غیبی آئینہ

شہزادہ چبوترے سے اُتر کر مینار پر جانے کا راستہ تلاش کرنے درختوں میں گیا۔ لیکن کہیں راستے کا نشان نہ ملا۔ آخر مجبور ہو کر درختوں سے پھل توڑ کر پیٹ کی آگ بجھائی۔

عصر کے وقت شہزادہ پھر مینار کے نیچے آیا۔ دیکھا کہ وہی بُڈّھا چبوترے پر بیٹھا اُسی طرح کاغذ قلم تھامے حساب کتاب میں مصروف ہے۔ شہزادے نے کہا:

"بڑے میاں، ہے تو گستاخی، لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تمہاری طبیعت میں مذاق بہت ہے۔ بھلا مُجھے دِق کر کے تمہیں کیا ملا؟"

بُڈّھے نے اشارے سے کہا۔ "ذرا صبر کرو۔"

شہزادہ مغرب تک خاموش بیٹھا رہا۔ بُڈّھے نے مغرب کی نماز کے بعد کہا کہ معاف کرنا۔ دراصل میں روزے سے تھا، اِس لیے تُم سے بات نہ کی۔

یہ سُن کر شہزادہ حیرت سے کہنے لگا۔ "سبحان اللہ! حضرت دُنیا سے نرالا روزہ رکھتے ہیں۔ میری آنکھوں کے سامنے آپ نے مینار کی تیسری منزل پر کھانا کھایا اور پھر روزہ رکھنے کی بات کرتے ہیں۔ یہ کس مذہب میں جائز ہے؟"

بُڈّھے نے ہنس کر کہا۔ "ارے میاں، ناراض کیوں ہوتے ہو۔ تُم میری بات نہیں سمجھے۔ قصّہ یہ ہے کہ میں نے ایک ہفتے کے لیے زبان کا روزہ

رکھا تھا۔ زبان کے روزے میں کسی سے بات نہیں کی جاتی۔ آج مغرب کے بعد ہفتہ پورا ہوا اور میں نے تُم سے بات کی۔"

شہزادہ بھی ہنس دیا اور کہنے لگا۔ "حضرت، واقعی اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا کہ آپ نے چُپ شاہ کا روزہ رکھ لیا ہے۔ اب یہ فرمائیے کہ جناب کا اسم شریف کیا ہے اور کب سے یہاں موجود ہیں؟ یہ مقام بھی طِلسم کے اندر ہے یا باہر؟"

بُڈّھے نے کہا۔ "اے شہزادے، میرا نام عُبیدون بن عابد ہے۔ میں چار سو برس سے اِس باغ میں رہتا ہوں۔ یہ باغ اور مینار اور ارد گرد کا سارا علاقہ طِلسم میں شامل ہے۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "وہ عورت کون ہے جس نے آپ کو مینار پر کھانے پر بلایا تھا؟"

عابد نے جواب دیا۔ "وہ پری زادوں کے بادشاہ توشمال کی بیٹی ملاحت پری ہے۔ اُسے میں قرآن مجید کا سبق دیتا ہوں اور وہ میرے واسطے کھانا لاتی ہے۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "اے بزرگ، آپ جو درختوں میں میں جا کر غائب ہو گئے اور اوپر پہنچے، اِس میں کیا بھید ہے؟"

بُڈّھے نے کہا۔ "ابھی تھوڑی دیر میں تمام بھید تم پر ظاہر ہو جائیں گے۔ ذرا صبر سے کام لو۔"

شہزادے نے پھر پوچھا۔ "اور یہ حساب کتاب کیا ہے جو آپ اِس کاغذ پر کر رہے ہیں؟"

عابد نے کہا۔ "میں ایک زائچہ بنا رہا تھا۔ یہاں کے اکثر لوگ میرے پاس آتے ہیں کہ میں اُن کی قسمت کا زائچہ بنا دوں۔ خیر، اب یہ پوچھ گچھ ختم کرو

اور اپنا حال بتاؤ کہ کس مقصد کے لیے یہاں آنا ہوا؟"

شہزادے نے جواب دیا۔ "میرے والد سلطان مہدی عرصے سے اِس طِلسم کی قید میں ہیں۔ انہیں آزاد کرانے کے لیے نکلا ہوں اور یہاں حکیم ابوالمحاسن کے دیے ہونے کاغذ کی مدد سے آیا ہوں۔"

عابد نے کہا۔ "تُم نے یہاں پہنچ کر حکیم صاحب کے کاغذ کو دیکھا بھی یا نہیں؟" اب جو شہزادے نے اپنی جیب ٹٹولی تو کاغذ گُم تھا۔ طیش میں آن کر بولا۔ "خُدا اِس مینار اور باغ کو غارت کرے، جس کا تماشا دیکھنے میں میرا کاغذ کھویا گیا۔"

عابد نے مُسکرا کر کہا۔ "واہ، صاحب واہ! ایسی قیمتی چیز کو خُود گُم کیا اور ملامت دوسروں کو کرتے ہو۔ شاید وہ کاغذ شیطان چُرا کر لے گیا اور اب وہ تمہارے گرفتار کرنے کی فکر میں ہو گا۔ اب جلدی سے مینار پر چلو ورنہ تمہاری وجہ سے شیطان اور اُس کے ساتھی مُجھے بھی تکلیف دیں گے۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "کیا شیطان اور اس کے ساتھی مینار پر نہیں جا سکتے؟"

عابد نے کہا۔ "مینار کے چاروں طرف خُدا کے پاک نام کھُدے ہوئے ہیں۔ اِس وجہ سے وہاں شیاطین کا گُزر ممکن نہیں۔"

شہزادہ عابد کے ساتھ ہولیا۔ چبوترے سے اُتر کر وہ درختوں کے جھُنڈ میں گیا اور ایک درخت کو بغل میں لے کر ایسا چکّر دیا کہ وہ زمین کے اندر سے نکل آیا۔ شہزادے نے وہاں ایک سُرنگ دکھی۔ دونوں اِس سُرنگ میں داخل ہوئے۔ سُرنگ مینار کے نیچے جا کر ختم ہوئی۔ وہاں ایک زینہ تھا۔ شہزادہ زینے کی راہ سے عابد کے ساتھ مینار کی تیسری منزل میں گیا۔ بُوڑھے نے بتایا کہ میرے رہنے کی جگہ یہی ہے۔ اِس سے اُونچی منزل پر جانے کا حُکم نہیں۔ شہزادے نے اِس پابندی کی وجہ پوچھی۔ اس نے کہا:

"اے شہزادے، اِس طِلسم کی تاریخ میں لکھتا ہے کہ مینار کے چھ درجوں

کی سیر وہ شخص کرے گا جس کے پاس حضرت یونس علیہ السّلام کی اُس مچھلی کی آنکھ کا مُہرہ ہو گا جس نے حضرت یونسؑ کو نگل لیا تھا اور آپ چالیس دِن تک اُس مچھلی کے پیٹ میں تھے۔"

شہزادے نے کہا۔ "وہ مُہرہ میرے پاس موجود ہے۔"

عابد خوش ہو کر کہنے لگا۔ "پھر تُم بے خوف ہو کر اس مینار کی سیر کرو اور ہر منزل میں جاؤ۔ میں نے سنا ہے کہ چھٹی منزل سے محل سعدین آسانی سے نظر آتا ہے۔"

شہزادے نے کہا۔ "معلوم نہیں وہ محل یہاں سے کتنی دُور ہے؟"

عابد نے جواب دیا۔ "پانچ روز کی دوری پر ہے۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ یکایک باغ کے اندر روشنی پیدا ہوئی۔ اِس روشنی میں ایک دیو جیسا شیطان ہاتھ میں آگ کا گُرز لیے ہوئے دِکھائی دیا۔

اس کا چہرہ ہاتھی سے ملتا جُلتا تھا۔ چند اور شیطان بھی اِس کے ساتھ تھے۔
اِس نے مینار کے نیچے آ کر بھیانک آواز میں کہا:

"اے عُبیدون عابد! اِس آدم زاد کو ہمارے حوالے کرو، ورنہ تمہیں سخت تکلیف اُٹھانی پڑے گی۔"

عابد نے شہزادے سے کہا۔ "جلدی سے اِسم اعظم شروع کرو۔"

اِتنے میں شیطان نے پھر آواز دی۔ "اے عُبیدون، اگر تو اِس آدم زاد کو ہمارے حوالے نہیں کرنا چاہتا تو مُہرہ ماہی چھین کر ہمیں دے دے۔"

عُبدون نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش رہا۔ شیطان ساری رات غُل غپاڑا مچاتے رہے اور صُبح صادق کے وقت باغ سے غائب ہو گئے۔
عُبیدون شہزادے کا زائچہ دیکھنے میں مصروف ہوا اور شہزادہ مینار کی سیر کے لیے نکلا۔ چوتھی منزل میں گیا تو ہوش اُڑ گئے۔ وہاں پورا شہر آباد تھا۔

پانچویں منزل میں ایک وسیع پُرفضا باغ دِکھائی دیا۔ چھٹی منزل پر گیا تو ایک صندلی رنگ کا ایک ایسا محل نظر آیا جس کی چمک دمک سورج کی روشنی کی گئی۔ سمجھ گیا کہ یہی محل سعدین ہے۔ دیر تک وہاں کھڑا محل دیکھتا رہا۔ اُس کا دِل کہتا تھا کہ اِسی محل میں سلطان مہدی اور اُن کے ساتھی قید ہیں۔ جب سُورج آسمان پر بُلند ہوا تو محل دِکھائی نہ دیا۔ شہزادہ واپس عُبیدون عابد کے پاس چلا آیا۔ اِس وقت ملاحت پری بھی وہاں موجود تھی۔ شہزادے نے محل کی روشنی کے بارے میں پُوچھا۔ عابد نے بتایا کہ وہ روشنی غیبی آئینے کی ہے جو محل کی مشرقی دیوار میں لگا ہے۔ اِس آئینے کی ایک خاصیّت یہ بھی ہے کہ جو شخص اِس کی طرف مُنہ کر کے الفاظ کہے کہ اے غیبی آئینے، اگر میرا کام ہونا ممکن ہو تو اُسے ظاہر کر دے۔ اُسی وقت آئینے کے اندر سارا حال اپنی آنکھ سے دیکھ لے گا۔ دوسری عجیب بات یہ ہے کہ اِس آئینے میں دیکھنے والے کا عکس دِکھائی نہیں دیا۔

اب تُم محل سعدین کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ میں نے زائچے سے پتا لگایا ہے کہ تمھیں اپنے مقصد میں کام یابی ہو گی۔ البتّہ اِس راہ میں خطرے بہت ہوں گے۔ لیکن جو بزُرگ اوّل مرحلے میں تمھارے مدد گار تھے وہ اِس طِلسم میں بھی تمھاری مدد کریں گے۔ تمھیں ملاحت پری اُس باغ میں لے جا کر ایک مقام میں پہنچا دے گی۔ سورج ڈھلنے تک مشرق سے مغرب کی طرف اور سہ پہر کے بعد مغرب سے مشرق کی جانب سفر کرنا۔ جہاں شام کا وقت ہو جائے، وہیں رات کاٹنا۔ میں بھی اب یہاں نہیں رہوں گا۔ کسی اور محفوظ جگہ چلا جاؤں گا۔"

ملاحت پری نے شہزادے کو اپنے کندھوں پر سوار کیا اور جس جگہ لے جانے کی عابد نے ہدایت کی تھی، وہاں پہنچا کر اتارا۔

ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ پیچھے کی طرف سے طرح طرح کی ڈراؤنی آوازیں آنی شروع ہوئیں مگر آواز دینے والا دِکھائی نہ دیا۔ یکایک سامنے

سے دھول اُڑی۔ جب یہ دھول صاف ہوئی تو دیکھا کہ ہاتھی سواروں کا ایک لشکر ہے۔ نزدیک آ کر یہ لشکر دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصّہ شہزادے کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب چلا گیا۔ پھر اِس لشکر کا سردار شہزادے کے رُوبرُو آیا اور کہنے لگا:

"اے نوجوان، تیری خیر اِسی میں ہے کہ مُہرہ ماہی مُجھے دے دے۔ وہ کاغذ بھی میرے پاس ہے جو تُجھے حکیم ابوالمحاسن نے دیا تھا۔ ہم اِس کاغذ اور مُہرے کو طِلسم کے دروازے پر لٹکائیں گے اور جو جِن، دیو یا آدم زاد تُجھ سے جنگ کرے گا، ہم تیری طرف سے اُس کا مُقابلہ کریں گے۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "تیرا نام کیا ہے اور تُو وہ کاغذ کیوں مُجھ سے لے گیا؟"

ہاتھی سوار نے کہا: "میرا نام شُعبدہ باز ہے۔ جس وقت تو نے عابد کے باغ میں وُضُو کرنے کے لیے آستینیں اُلٹیں اُس وقت تیرے کُرتے کی

جیب سے کاغذ نکل کر زمین پر گرا۔ جب تک تیرا سایہ اِس کاغذ پر پڑتا رہا، ہمیں وہ کاغذ اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ جُوں ہی تُو نے پرے ہٹ کر نماز کی نیّت باندھی ہم نے پلک کر کاغذ اُٹھا لیا۔

شہزادے نے کہا۔ "مُہرہ ماہی میرے پاس موجود ہے۔ تُم میں طاقت ہے تو لے لو۔"

یہ سُن کر شُعبدہ باز نے کئی من وزنی لوہے کا گُرز اُٹھا کر شہزادے پر حملہ کیا۔ لیکن مُہرا ماہی کی برکت سے گُرز انار کی شاخ میں بدل گیا۔ اِس شاخ میں انار بھی لگا تھا۔ یہ دیکھ کر شُعبدہ باز کے بدن میں تھر تھری چھوٹ گئی اور وہ شاخ زمین پر پھینک کر اپنے لشکر سمیت غائب ہو گیا۔

شہزادہ آگے روانہ ہوا۔ اِتنے میں سورج آسمان کے بیچ میں آیا۔ شہزادے نے عُبیدون عابد کی ہدایت کے مطابق مغرب سے مشرق کی جانب چلنا شروع کیا۔ راستے میں شیاطین ہزار ہا ڈراؤنی شکلیں بنا بنا کر

شہزادے کے قریب آئے، مگر مُہرہ ماہی کی برکت سے اُس کا کُچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ شُعبدہ باز شیطان بھی انسان کی صورت بنا کر شہزادے کے سامنے آیا اور نیزے سے حملہ کیا، لیکن شہزادے نے اپنے نیزے کی ایک ہی ضرب سے اُس کا نیزہ زمین پر گِرا دیا۔ شیطان نے جھٹ تلوار نکالی، مگر مُہرہ ماہی کی وجہ سے اُس کی تلوار شہزادے کے جسم پر کارگر نہ ہوتی تھی، اور شہزادے کی تلوار شُعبدہ باز پر اِس لیے اثر نہ کرتی تھی کہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا تھا۔

اتنے میں ملاحت پری اپنے ساتھ جِنوں کے ایک دستے کو لے کر اُڑتی ہوئی آئی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک آتشی تلوار تھی۔ وہ تلوار اُس نے شہزادے کو دی۔ شہزارے نے آگ کی تلوار سے شُعبدہ باز شیطان کو قتل کیا۔ دوسرے جِنوں نے شُعبدہ باز کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ اِس کے بعد ملاحت پری اپنے جِنوں کو لے کر رُخصت ہوئی۔ شام کے

وقت شہزادہ ایک باغ میں پہنچا۔ یہاں بہت سے خوب صورت مکان بنے دِکھائی دیے جو سب کے سب ایک جیسے تھے۔ شہزادے نے عُبیدون عابد کی نصیحت کے مطابق مغرب کی نماز پڑھ کر ایک مکان کی دیوار تلے آرام کیا۔ ابھی ایک ساعت نہ گزری تھی کہ ملاحت پری نمودار ہوئی اور لذیذ کھانوں سے بھرا ہوا ایک خوان شہزادے کے سامنے رکھا۔ شہزادہ بسم اللہ کہہ کر لُقمہ اُٹھانے ہی والا تھا کہ یکایک آسمان کی طرف سے آواز آئی :

"اے نوجوان، خبردار! اِس ناپاک کھانے کو ہرگز نہ کھانا ایک مرتبہ تُو نے حکیم ابوالمحاسن کا دیا ہوا کاغذ گُم کر دیا۔ اب اپنی جان کھونا چاہتا ہے ؟"

آواز سُنتے ہی ملاحت پری ایک بھیانک چڑیل میں بدل گئی اور چیختی چلّاتی وہاں سے بھاگی۔ کُچھ دیر بعد اصلی ملاحت پری آئی اور کہنے لگی کہ اے شہزادے! تُم بال بال بچے۔ دراصل اِس باغ کی نگہبان ایک چڑیل ہے۔ اُس نے تمھیں میری شکل میں آکر دھوکا دینے کی کوشش کی تھی۔"

شہزادے نے اپنی جان کی سلامتی پر خُدا کا شکر ادا کیا اور جو کھانا اصلی ملاحت لائی تھی، پیٹ بھر کر کھایا۔ اِس کے بعد سو گیا۔ صُبح سویرے آنکھ کھلی تو عُبیدون کی ہدایت کے مطابق مغرب کی جانب روانہ ہوا۔ اس مرتبہ پھر راہ میں گرد و غُبار کا ایک بادل نظر آیا۔ جب اُس بادل کا پردہ چاک ہوا تو دیکھا کہ ہزاروں شیطانوں کا لشکر ہے اور ہر شیطان کی شکل ایسی ہیبت ناک ہے کہ اُس کے دیکھنے سے کلیجا حلق میں آتا ہے۔

اس لشکر کا سردار خرتُوس نام کا ایک شیطان تھا جسے شیطانوں کے بادشاہ شیدروس آتش دہن نے شُعبدہ باز شیطان کے مارے جانے کی خبر سُن کر بھیجا تھا۔ شیطانوں کے اِس لشکر نے شہزادے کو چاروں طرف سے گھیر کر حملہ کیا۔ اِس وقت ملاحت پری کا غُلام افلُون جِن بھی اپنی فوج لے کر آیا اور اُس نے آتے ہی خرتُوس کو قتل کیا۔ رفتہ رفتہ خرتُوس کے تمام شیطان جہنّم رسید ہوئے۔

جب یہ خبر شیطانوں کے بادشاہ شیدروس تک پہنچی تو وہ زبردست فوج شیطانوں کی لے کر آیا۔ افلُون جِن اور اُس کے ساتھیوں نے جان توڑ کر مُقابلہ کیا۔ خود شہزادے نے اِس قدر تلوار چلائی کہ کُشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ شیدروس نے جو یہ حال دیکھا تو اپنے نائب خنّاس سے کہا:

"میں اِس آدم زاد کا سامنے سے جا کر مُقابلہ کرتا ہوں تو چُپکے چُپکے دائیں جانب جا اور آدم زاد کے بازو پر اِس طرح خنجر مار کر مُہرۂ ماہی جو بازو سے بندھا ہے، کٹ کر زمین پر گر جائے۔"

شیدرُوس للکارتا ہوا شہزادے کے سامنے آیا اور نیزہ شہزادے کے سینے پر مارا۔ شہزادے نے تلوار کی ضرب نے اُس کا نیزہ کاٹ ڈالا۔ یکایک دائیں جانب سے خنّاس نے حملہ کیا۔ شہزادے نے وار روک کر آتشی تلوار خنّاس کی کھوپڑی پر ماری وہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا۔ اِس دوران میں جِنوں کا بادشاہ ارقیموس چالیس ہزار بہادر جِنوں کا لشکر لے کر میدان میں

نمودار ہوا۔ حکیم ابو المحاسن بھی ارقیموس کے ساتھ تھے۔ ارقیموس نے آتے ہی تلوار کے ایسے جوہر دِکھائے کہ شیدرُوس قتل ہوا اور اُس کی فوج تِترّ بِترّ ہو گئی۔ اِس کے بعد ارقیموس حکیم صاحب کے ساتھ شہزادے کی خدمت میں آیا اور وہ گُم شدہ کاغذ شہزادے کو دیا جو شیدرُوس کے مارے جانے کے بعد اس کی جیب سے نِکلا تھا۔

حکیم ابوالمحاسن نے شہزادے کو گلے سے لگا لیا اور کہا۔ "ایک روز میں نے عِلمِ نجوم کی مدد سے تمہارے حالات کا پتا چلایا۔ معلوم ہوا کہ تُم سے کاغذ گُم کرنے کی بھاری غَلَطی ہوئی ہے۔ میں سلطان ارقیموس کے پاس گیا جو مسلمان جِنوں کا بادشاہ ہے۔ اُسے لشکر سمیت ساتھ لے کر یہاں آیا۔"

شہزادے نے کہا۔ "یہ تو بہت اچھّا ہوا کہ آپ آ گئے۔ اب فرمائیے کہ میں کیا کروں؟"

حکیم ابوالمحاسن نے سُلطان ارقیموس کو رُخصت کیا اور شیدرُوس شیطان کا

علاقہ بھی اُسے عطا کیا۔ پھر خود شہزادے کو ساتھ لے کر محل سعدین کی
طرف روانہ ہوا۔

اکیس ہزار صفحے کی کتاب

راستے میں شہزادے نے حکیم صاحب سے کہا۔ "یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اِس طِلسم کے جتنے بھی بادشاہ ہیں آپ کی ہر بات مانتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو سواری کے لیے ہاتھی، گھوڑے پلک جھپکنے میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ کیا سبب ہے کہ آپ پیدل چل رہے ہیں؟"

حکیم ابو المحاسن نے ہنس کر جواب دیا۔ "اے شہزادے پیدل چلنے کی تکلیف تمھاری مہربانی کے باعث ہے۔ نہ تُم میرا کاغذ گُم کرتے اور نہ یہ

تکلیف اُٹھانی پڑتی۔ بے شک کاغذ دوبارہ مل گیا، مگر اُسے گُم کرنے کی سزا میں یہ راستہ پیدل طے کرنا ضروری ہے۔"

جب دِن کے تین پہر گُزر گئے تب حکیم صاحب نے بھی مشرق سے مغرب کا رُخ کیا۔ شہزادے نے کہا:

"وہ سامنے ایک بہت بڑا دریا دکھائی دیتا ہے۔ دریا کے بیچوں بیچ بادامی رنگ کا ایک عالی شان محل کھڑا ہے۔ اِس محل کی مشرقی دیوار پر ایک بڑا آئینہ لگا ہے جس کی شُعاعوں سے سارا دریا سورج کی طرح روشن ہے۔"

حکیم ابوالمحاسن نے جواب دیا۔ "اِس محل کا نام سعدین ہے اور ابھی دو دِن کی راہ پر ہے۔ دیکھنے میں نہایت قریب نظر آتا ہے۔"

شام ہوئی تو دونوں صحرا میں رُک گئے۔ ملاحت پری اپنے سر پر لذیذ کھانوں کا خوان اُٹھائے حاضر ہوگئی۔ وہ رات اُنھوں نے صحرا میں گزاری۔

تیسرے روز صُبح کے وقت حکیم صاحب کو دریا کے کنارے پر لائے۔ شہزادے کو دریا اور اُس کے اندر آسمان کو چھوتا ہوا شان دار محل دیکھ کر خُدا کی قدرت یاد آئی۔ حکیم ابوالمحاسن نے کہا :

"اے شہزادے، مُہرہ ماہی اپنی جیب سے نکال کر دریا کو دکھاؤ۔"

شہزادے نے جُوں ہی مُہرے کا عکس دریا پر ڈالا، یکایک پانی نے جوش کھایا اور ایک دیو جیسی مچھلی دریا کے کنارے آئی۔ شہزادے نے حکیم صاحب کی ہدایت کے مطابق وہ مُہرہ مچھلی کے مُنہ میں ڈال دیا۔ مچھلی دریا میں غوطہ لگا گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کشتی دریا کے اندر سے نکلی۔ اس پر ملّاح کے بجائے ایک عورت سوار تھی۔ یہ دونوں اُس کشتی سوار ہوئے۔ عورت نے دو گھڑی بعد انہیں دوسرے کنارے پہنچا دیا۔ پھر مُہرہ نکال کر شہزادے کے حوالے کیا اور خود دریا میں چلی گئی۔

محل کے سامنے ایک وسیع میدان تھا۔ شہزادے نے مشرقی دیوار میں

لگے ہوئے آئینے پر نگاہ ڈالی تو اُسے دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اس آئینے میں سورج کی روشنی کا کوئی دخل نہ تھا۔ بلکہ وہ خود ہی سُورج کی طرح روشن تھا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ صُبح کے وقت آئینہ محل کی مشرقی دیوار سے طلوع ہوتا تھا اور اُدھر سورج جس قدر آسمان پر بُلند ہوتا تھا آئینہ بھی بُلند ہوتا جاتا تھا۔ اور جب سورج مغرب میں ڈوب جاتا تو آئینہ بھی محل کی مغربی دیوار میں چھُپ جاتا تھا۔

حکیم صاحب نے شہزادے سے کہا کہ آئینے کے سامنے جاؤ اور آنکھیں بند کر کے ایک ہزار مرتبہ اسمِ اعظم پڑھو۔ لیکن ایک ہزار میں ابھی سات مرتبہ پڑھنا باقی رہے تو آنکھیں کھول کر پڑھو۔ اِس کے بعد آئینے سے کہنا کہ اے غیبی آئینے، میرے والد سُلطان مہدی کی شکل دِکھا دے۔

شہزادہ آئینے کے سامنے آیا۔ دیکھا کہ اِس میں کوئی عکس نظر نہیں آتا۔ بہر حال، حکیم صاحب کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے آنکھیں بند کر کے

اسمِ اعظم پڑھنا شروع کیا۔ ابھی ایک ہزار پورا ہونے میں سات اسم باقی تھے کہ شہزادے نے آنکھیں کھول دیں اور کھُلی آنکھوں سے سات مرتبہ اسمِ اعظم پڑھا۔ پھر آئینے سے مخاطب ہو کر کہا :

"اے غیبی آئینے، میں اپنے والد سُلطان مہدی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

اِسی وقت آئینے میں ایک پُر فضا باغ نظر آیا، جس میں ایک عالی شان بارہ دری لعل و یاقوت کی بنی ہوئی تھی۔ اِس بارہ دری کے ایک حُجرے میں ایک خوب صورت اور با وقار شخص مُصلّے پر بیٹھا نماز پڑھتا دکھائی دیا۔ شہزادے نے ہائے کا نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گیا۔

اگلے روز شہزادے کو ہمراہ لے کر حکیم صاحب محل کی دیوار تلے آئے۔ شہزادے کو وہاں دیوار کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئی۔ حکیم صاحب نے کہا کہ اے شہزادے، جب ایک ساعت رات باقی رہے تو تُم دیوار کے نیچے جانا۔ وہاں دیوار کی بنیاد کے پاس ایک روشنی دیکھو گے۔ اِس روشنی میں

ایک خندق نظر آئے گی۔ تھوڑی دیر اِس خندق کے قریب انتظار کرنا۔ ایک خوف ناک صورت پہلوان ہاتھ میں ننگی تلوار لیے، خندق سے باہر نکلنے کا ارادہ کرے گا۔ تُم اِس پھرُتی سے اِس شخص کی گردن پر اپنی تلوار مارنا کہ اِس کا سر کٹ کر خندق سے باہر گرے اور دھڑ خندق میں رہے۔ اِس کے بعد خندق میں کود پڑنا۔ چند قدم چل کر ایسی جگہ پہنچو گے جہاں سے طِلسمی محل نظر آتا ہے۔ جہاں تک میری حد ہے، میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔

شہزادہ حکیم صاحب کی ہدایت کے مطابق محل کی دیوار کے نیچے پہنچا اور پہلوان کو قتل کرنے کے بعد خندق میں کود پڑا۔ وہاں ایک سُرنگ دیکھی۔ جب اس سے باہر نکلا تو حکیم ابوالمحاسن کو وہاں کھڑے پایا۔ چند قدم آگے بڑھا تھا کہ سامنے تانبے کا بنا ہوا ایک قَلعہ نظر آیا جس کے اکیس بُرج تھے۔ بیس بُرج قلعے کے چاروں طرف اور ایک بُرج اس کے درمیان میں تھا۔ اِس درمیانی بُرج میں صندلی رنگ کا ایک مکان اِس قدر بُلند تھا کہ

قَلعے سے باہر اُس کا ہر حصّہ دِکھائی دیا تھا۔ اِن اکیس بُرجوں میں طرح طرح کی ہیبت ناک شکلیں بیٹھی نظر آئیں۔ کسی کے ہاتھ میں آگ کی تلوار تھی، کسی کے ہاتھ میں گُرز تھا۔ کوئی شیر پر سوار تھا، کوئی تخت پر بیٹھا تھا۔ ایک بُت کے دائیں ہاتھ میں ننگی تلوار اور بائیں ہاتھ میں ایک آدمی کا کٹا ہوا سر تھا۔ اِس کٹے ہوئے سر میں سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے بعض بُرجوں میں عورتوں کی شکلیں تھیں۔ کوئی ناچ رہی تھی، کوئی ساز بجا رہی تھی۔

شہزادے نے حکیم ابوالمحاسن کے ساتھ قَلعے کے چاروں طرف چکّر لگایا کہ شاید کوئی اور تماشا دِکھائی دے۔ لیکن جب ایک بُرج دوسرے بُرج کے سامنے پہنچا تھا تو پھر صورتیں دوبارہ نظر نہ آتی تھیں۔ آخر شہزادہ تھک ہار کر دم لینے کے لیے ایک جگہ رُکا۔ حکیم صاحب نے کہا:

"اے شہزادے، اب میں تمھیں اس طِلسم کے صاحبِ تاریخ کے پاس

لے چلتا ہوں۔ وہ کتابِ تاریخ کی ہدایت کے مطابق تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

یہ کہہ کے حکیم ابو المحاسن شہزادے کو قلعے کے دائیں جانب ایک چشمے کے کنارے پر لایا اور کُچھ مُنہ میں پڑھ کر پینے کے پانی پر دم کیا۔ اِسم پڑھتے ہی پانی نے جوش کھایا اور جم کر گُنبد کی شکل اختیار کی۔ یکایک ایک طوفان اِس طرح کا شروع ہوا کہ زمین اور آسمان سب تاریک ہو گئے۔

جب اندھیرا دور ہوا، شہزادے نے جمے ہوئے پانی کے بجائے ایک بِلّوریں گُنبد دیکھا۔ حکیم صاحب شہزادے کو گُنبد کے اندر لے گئے۔ وہاں ایک بُڈّھا فقیر پھٹے پُرانے بوریے پر بیٹھا تھا۔ اس کی سفید ڈاڑھی ناف تک لمبی تھی۔ اور ایک موٹی اور وزنی کتاب اس کے آگے دھری تھی۔ کبھی کبھی وہ یہ کتاب کھول کر اس میں سے کُچھ پڑھتا اور پھر کتاب بند کر دیا۔

حکیم ابو المحاسن نے اُونچی آواز سے کہا۔ "اے برجیس حساب دان،

السّلام علیک۔"

بُڈّھے نے گردن اُٹھا کر سلام کا جواب دیا اور کہنے لگا۔ "خوش آمدید، اے حکیم ابو المحاسن۔ بہت مُدّت بعد صُورت دِکھائی۔ کہو، اچھّے تو ہو۔ اور یہ نوجوان کون ہے؟ لیکن ٹھہرو میں خود ہی کتاب دیکھ لیتا ہوں۔"

اُس نے جلد جلد کتاب کے اوراق اُلٹے پلٹے۔ پھر مُسکرا کر بولا۔ "میں شہزادہ اسماعیل بن سُلطان مہدی کو اپنے غریب خانے پر خوش آمدید کہتا ہوں۔ اب ارشاد کرو کہ میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

شہزادے نے ادب سے کہا۔ "آپ جانتے ہی ہیں کہ میرے والد سُلطان مہدی بارہ برس سے اِس طِلسم کی قید میں ہیں۔ میری تمنّا ہے کہ اُنہیں آزاد کراؤں،" برجیس حساب دان نے بڑی شفقت سے شہزادے کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "آفرین ہے اُس بیٹے پر جو باپ کی مصیبت میں اُس کے کام آئے۔ بیٹا، مُجھے ہر حال میں اپنا فرماں بردار سمجھو، مگر خُدا جانے

حضرت یونس علیہ السّلام کی مچھلی کا مُہرہ بھی تمہارے پاس ہے یا نہیں۔"

شہزادے نے جواب دیا کہ جناب، وہ مُہرہ حکیم ابوالمحاسن کی عنایت سے میرے قبضے میں ہے۔ یہ سُن کر برجیس حساب دان خوش ہوااور وہی موٹی کتاب اُٹھا کر شہزادے کے آگے رکھ دی اور کہا کہ اے شہزادے، اِس کتاب کا اکّیس ہزارواں صفحہ دیکھو۔ اُس میں جو عبارت لکھی ہے اُسے نقل کر لو۔ شہزادے نے اُسی وقت وہ صفحہ سارے کا سارا نقل کر لیا۔ حکیم صاحب نے شہزادے سے کہا:

"اے عالی قدر شہزادے، اب میں برجیس حساب داں کے پاس ٹھہروں گا۔ تُم قَلعے میں داخل ہو۔"

شہزادہ پھر قَلعے کی دیوار کے نیچے آیا۔ وہاں ہر طرف گھوم پھر کر دیکھا۔ قَلعے کے دروازے کا کہیں نام و نشان تک نہ پایا۔ آخر کتابِ تاریخ کے اِس اکیسویں ہزار صفحے سے مدد لی۔ اُس میں لکھا تھا:

"اے شہزادے، اِس چشمے کا پانی بُرج کے سامنے والی زمین پر گراؤ۔"

شہزادے نے ایسا ہی کیا۔ فوراً دروازہ نمودار ہوا۔ لیکن وہ بند تھا۔ شہزادے نے پھر کتاب کے صفحے سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"چشمے کے پانی میں اِسی زمین کی تھوڑی سی مٹّی لے کر ایک گولا بناؤ اور اُسے اسمِ اعظم پڑھ کر بند دروازے پر دے مارو۔"

شہزادے نے جُوں ہی گولا بنا کر دروازے پر مارا۔ کھٹاک سے دروازہ کھُل گیا۔ شہزادہ قلعے کے اندر داخل ہوا۔ وہاں پر کتاب کے نقل کیے ہوئے صفحے پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اے جوان، اِس قلعے میں بیس دیوانِ عام ہیں اور ایک دیوانِ خاص۔ تیرا کام دیوانِ خاص کے ذریعے ہو گا جس کا تعلّق اکیسویں بُرج سے ہے۔ ایک ہی شکل کے اکّیس بازار اِس قلعے میں ہیں۔ اب تو اِن بازاروں کی سیر

کر۔"

شہزادہ پہلے بازار میں پہنچا۔ وہاں بازار کے درمیان میں ایک نہر دیکھتی۔ نہر کے دونوں کناروں پر دُکانوں کی قطار تھی اور ہر دکان میں بیش قیمت مال بھرا ہوا تھا۔ ایک کنارے کے لوگوں کا لباس سبز اور دوسرے کنارے والوں کا سُرخ تھا۔ سُرخ لباس والے بد مزاج، اکھڑ بد تمیز اور لمبے تڑ نگے تھے، جب کہ سبز لباس والے خُوش مزاج، سلیقہ مند، اور چھوٹے قد کے نظر آئے۔ شہزادہ پہلے سُرخ لباس والوں کی طرف گیا۔ وہاں سب نے اِس پر کڑی نگاہ ڈالی۔ آخر ایک شخص نے زبردستی اِسے پکڑ کر دوسرے کنارے پر پہنچا دیا اور کہنے لگا:

"اے نوجوان، ہمارے بازار نے تیرا کیا قصور کیا ہے، جو تُو چلنے کے لیے راستہ نہیں دیتا۔ بہتر یہ ہے کہ تُو دوسرے کنارے پر چلا جا۔"

شہزادہ حیران ہو کر سبز پوشوں کی طرف چلا گیا مگر وہاں بھی ایک سبز پوش

نے بڑے ادب سے کہا کہ حضور، یہاں آپ ناحق وقت ضائع کریں گے۔
آپ کا کام تو سُرخ بازار ہی میں ہو گا۔ شہزادہ وہاں سے ہٹ کر نہر کے
پَرلی طرف پھر سُرخ بازار میں آ گیا۔ غرض چار بار یہی معاملہ پیش آیا۔
سُرخ بازار میں جانا تو وہاں سے اُٹھا کر لوگ سبز بازار میں پہنچا دیتے اور سبز
بازار والے سُرخ بازار میں جانے کی درخواست کرتے۔ پریشان ہو کر
شہزادے نے برجیس حساب دان کی کتاب سے نقل کیے ہوئے صفحے
میں دیکھا اور اِس کی ہدایت کے مطابق مُہرہ ماہی نہر کو دکھایا۔ اسی وقت
ایک چھوٹی سی کشتی نمودار ہوئی۔ شہزادہ کشتی میں سوار ہوا۔ کشتی ایک
دیوانِ عام کے اندر پہنچی۔ شہزادے نے وہاں ایک سُرخ پوش اور ایک
سبز پوش کو تخت پر ایک دوسرے کے پاس پاس بیٹھے دیکھا۔ دربار والوں
میں آدھے سُرخ پوش اور آدھے سبز پوش تھے۔ جوں ہی شہزادہ کشتی
سے اُتر کر دربار میں گیا، سُرخ پوش کہنے لگا:

"یہ آدم زار ہمارا مُجرم ہے۔ ہم اِسے قتل کر دیں گے۔"

سبز پوش نے کہا۔ "تُو بکواس کرتا ہے۔ یہ شخص ہمارا مہمان ہے۔ ہم اِس کی خاطر تواضع میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گے۔"

اِس بات پر دونوں بادشاہوں میں تکرار شروع ہوئی۔ شہزادے نے کتاب کے حُکم سے تمام درباریوں کو مُہرۂ ماہی دِکھایا۔ مُہرہ دِکھاتے ہی سُرخ پوش یوں غائب ہوئے جیسے آگ پر پانی بھاپ بن کر اُڑ جاتا ہے۔ فقط سبز پوش دیوانِ عام میں باقی رہے۔ بادشاہ سبز پوش نے شہزادے کو اپنے قریب تخت پر بٹھا لیا اور غلاموں کو حُکم دیا کہ معزّز مہمان کی شان دار دعوت کا انتظام کیا جائے۔

شہزادے نے کھانا کھانے کے بعد آرام کیا۔ جب صُبح کے وقت آنکھ کھُلی، خُود کو اِس شہر کے دوسرے بازار میں پایا۔ ویسی ہی نہر وہاں بھی بہہ رہی تھی۔ شہر کے ایک طرف وہی سبز پوش اور دوسری طرف صندل

پوش آباد تھے۔ ہر ایک نے شہزادے سے اِلتجا کی کہ تُم ہمارے بازار میں
چلو۔ شہزادے نے کتاب کی ہدایت کے مطابق اِن سے کہا کہ تُم لوگ
میری سواری کے لیے ایک تخت لاؤ اور دونوں گروہوں کے لوگ مل کر
اُٹھائیں۔ شہزادے کا اِرشاد سُن کر وہ تخت لائے اور نہایت عزّت سے
شہزادے کو دیوانِ عام میں لے گئے۔ یہاں بھی دو بادشاہ تخت پر ایک
دوسرے کے ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ مگر شہزادے کی آمد پر اِن بادشاہوں
میں کوئی جھگڑا نہ ہوا۔ بلکہ دونوں بادشاہوں نے شہزادے کی دعوت کی اور
تمام رات حاضر رہے۔ جب صُبح کے وقت شہزادہ جاگا، اپنے آپ کو
سُرخ پوشوں اور سبز پوشوں کے بازار میں پایا۔ دونوں فریقوں میں
شہزادے کے باعث اِس قدر جنگ ہوئی کہ شہر کا پانی بھی سُرخ ہو گیا۔
شہزادہ کتاب کے حُکم سے ایک سبز رنگ گھوڑے پر سوار ہو کر تیسرے
دِن دیوانِ عام میں آیا اور ایک حوض میں غوطہ مارا۔ جب حوض سے سر

باہر نکالا، دیوانِ عام کو سُرخ پوشوں سے خالی پایا۔ سبز پوش بادشاہ نے جھُک کر شہزادے کو سلام کیا اور کہا کہ حضور تخت پر رونق افروز ہوں۔

شہزادے نے بادشاہ سے پوچھا :

"میں ہر روز ایک نئے بازار میں پہنچتا ہوں اور ہر بازار میں دو رنگوں کے لوگ دِکھائی دیتے ہیں۔ اِس میں کیا بھید ہے ؟"

بادشاہ نے کہا۔ "حضُور، اِس بھید سے نادرہ رازداریا مُرغِ اِسرار آگاہ ہوگا، اور اگر انہیں بھی علم نہ ہوگا تو اِن کا مالک تو ضرور جانتا ہے۔"

یہ سُن کر شہزادہ خوش ہوا اور کھانا کھا کر سو گیا۔

صُبح آنکھ کھلی تو اپنے آپ کو چوتھے بازار میں پایا۔ ایک طرف سیاہ پوش تھے اور دوسری طرف سبز پوش۔ پانچویں روز زرد پوشوں کے بازار میں اور چھٹے روز سفید پوشوں کے بازار میں پہنچا۔ غرض اِسی طرح اکّیس دیوان

خانوں میں گیا اور ہر جگہ ایسے عجیب و غریب رنگوں کے لوگ دیکھے جِن کا بیان کرنا محال ہے۔

بائیسویں روز یکایک اپنے آپ کو ایک بُلند پہاڑ پر پایا۔ اُس قَلعے اور اُن بُرجوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ شہزادہ پہاڑ سے اُتر کر نیچے آیا۔ دیکھا کہ حکیم ابوالمحاسن اِس کے انتظار میں ایک درخت کے نیچے کھڑا ہے۔ حکیم صاحب نے شہزادے کو مبارک باد دی اور کہا کہ اے شہزادے، بُرجِ حُوت کے مالک نے یہ آئینہ تمہیں تحفے میں دیا ہے۔ جب بھی تمہیں کسی قسم کا رنج اور صدمہ پہنچے، اِس آئینے سے مخاطب ہو کر کہنا کہ اے غیبی آئینے، تُو مُجھے صحیح صحیح خبر دے۔ اِس کی دُوسری خُوبی یہ ہے کہ کوئی اِسے تُم سے چھین نہیں سکے گا اور نہ پا سکے گا۔"

شہزادے نے آئینہ لے کر حکیم ابوالمحاسن کا شکریہ ادا کیا۔ اِس آئینے کے آٹھ حصّے تھے اور اِس کے چاروں طرف باریک حرفوں میں ایسی عبارت

لکھی تھی جو شہزادے سے پڑھی نہ گئی۔

دُنیا میں واپسی

وہ آئینہ اتنی خوبیوں کے باوجود ایسا چھوٹا تھا کہ آسانی سے شہزادے کی جیب میں سما گیا۔ حکیم ابوالمحاسن نے کہا :

"اے شہزادے، اب ایک بار پھر محل سعدین میں جاؤ اور اپنے والد سُلطان مہدی کو آزاد کراؤ۔ بُرجِ حُوت کے جِنوں نے اُن کی حفاظت کا ذمّہ لیا ہے اور خُدا نے چاہا تو تمھیں اِس راہ میں کوئی مشکل درپیش نہ ہوگی۔"

اتنا کہنے کے بعد حکیم صاحب نے شہزادے کو آنکھیں بند کرنے کا حُکم دیا۔
شہزادے نے آنکھیں بند کیں۔ چند لمحوں بعد آواز آئی کہ آنکھیں کھول
دو۔ کیا دیکھا کہ پھر اُسی دریا کے کنارے موجود ہے جہاں سے سفر شروع
کیا تھا۔ حکیم صاحب نے کُچھ پڑھ کر دریا کی طرف پھُونکا۔ صندل کی وہی
گول کشتی دریا کے اندر سے نکلی جس پر شہزادہ سوار ہو کر شہر گوہر آویز میں
پہنچا تھا۔ شہزادے نے کہا کہ اے کشتی تُو مُجھے منزلِ مقصود پر پہنچا دے۔
کشتی دریا کے اندر غرق ہو گئی۔ جب دوبارہ پانی کی سطح پر آئی تو دیکھا کہ
اقبال شاہ اور اُس کا شکر سامنے ہی حاضر ہے۔ اُنھوں نے جُوں ہی
شہزادے کو دیکھا۔ دوڑے دوڑے آئے اور قدموں پر بوسہ دیا۔ اقبال
شاہ نے خوش ہو کر کہا۔ "اے شہزادے، میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔
مُجھے حکیم ابوالمحاسن نے حُکم دیا ہے کہ اپنے ٹھکانے پر واپس جاؤں۔ اِس
کے لیے مُجھے کُچھ مُدّت انتظار کرنا ہو گا۔ اب میں تُم سے رُخصت ہوتا

ہوں۔ زندگی رہی تو پھر مُلاقات ہوگی۔"

شہزادے نے اقبال شاہ، عادل شاہ اور تمام سردارانِ لشکر سے ہاتھ ملایا اور انہیں رُخصت کیا۔ پھر جیب سے غیبی آئینہ نکال کر کہا:

"اے آئینے، مُجھے بتا کہ اب کیا کروں؟"

آئینے کے اندر سے ایک نورانی شکل کے بزُرگ نے جواب میں کہا۔ "اے شہزادے، اِس طِلسم کی فتح تُجھے مبارک ہو۔ یہاں سے سیدھا محل سعدین میں جا۔ تیرا باپ سُلطان مہدی وہیں موجود ہے۔ اب بارہ برس بعد اُس کا حافظہ بھی لوٹ آیا ہے جو وہ طِلسم کی قید میں آتے ہی کھو بیٹھا تھا۔ اب آئینے پر نگاہ جما اور اپنے باپ کا حال دیکھ۔"

اِس کے ساتھ ہی وہ نورانی صورت کے بُزرگ غائب ہو گئے اور ایک نیا منظر آئینے میں شہزادے کو دِکھائی دیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سُلطان مہدی ایک

پُر فضا باغ میں بیٹھے ہیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ اِتنے میں ایک خُوب صورت شہزادی سُلطان کے پاس آئی۔ اُس نے سلطان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا :

"آپ روتے کیوں ہیں؟ خوش ہو جائیے کہ خُدا نے آپ کی مصیبتوں کے دِن ختم کیے۔ اب کوئی دم میں آپ کا جاں نثار بیٹا شہزادہ اسماعیل اِس طِلسم کے آخری حصّے کو فتح کر کے آپ کے پاس پہنچنے ہی والا ہے۔"

سلطان نے نظر اُٹھا کر شہزادی کر دیکھا۔ صُورت جانی پہچانی معلوم ہوئی۔ دِل میں کہا، ہو نہ ہو یہ شہزادی مُشکیں مُو ہے یا اُس کی کوئی بہن۔

شہزادی نے کہا۔ "اِس وقت شہزادہ اسماعیل شہر گوہر آویز میں ہے اور غیبی آئینے میں آپ کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔"

اتنے میں بے شمار پریاں اور جِن وہاں آئے اور سب نے سُلطان کو طِلسم

فتح ہونے کی مبارک باد دی۔ اب سُلطان کو بھی کُچھ کُچھ یقین ہو چلا تھا۔ خُوش ہوکر کہا۔ ”مجُھے اِس باغ سے باہر لے چلو تاکہ میں اپنے پیارے بیٹے کا خود اِستقبال کروں۔“

سلطان مہدی باغ کے دروازے پر پہنچے ہی تھے کہ ایک تخت آسمان سے اُترا۔ اُسے ایک ہزار پریاں کندھوں پر اُٹھائے ہوئے تھیں۔ سُلطان نے دیکھا کہ اُس پر ایک حسین شہزادہ زرق برق کپڑے اور سُنہری تاج پہنے بڑی شان سے بیٹھا ہے۔ سُلطان اپنے بیٹے کو گلے سے لگانے کے لیے دوڑا۔ اُدھر شہزادہ اسماعیل بھی تخت سے اُتر کر اپنے والد کی طرف دوڑا اور قدموں پر گِر پڑا۔ سُلطان نے بیٹے کو اُٹھا کر سینے سے لگایا اور پیار کیا۔ اِس دوران میں سُلطان کے وہ تمام ساتھی اور پہلوان بھی باغ کے دروازے پر آ گئےَ جو سُلطان کے ساتھ ہی طِلسم کی قید میں آئے تھے۔ اِن سب نے باری باری بڑھ کر شہزادے کو سلام کیا۔ سُلطان مہدی نے اوّل

سے آخر تک اپنے قید ہونے کی ساری داستان شہزادے کو سُنائی۔ پھر شہزادے نے بھی اپنی مُہم کے حیرت انگیز واقعات بیان کیے۔ اتنے میں حکیم ابوالمحاسن نے آن کر سلام کیا۔ سُلطان مہدی اُٹھ کر حکیم صاحب سے ملے اور اُن کا خوب شکریہ ادا کیا۔

کوہِ قاف میں چالیس روز تک سُلطان مہدی کی آزادی کا جشن منایا گیا۔ اِس کے بعد دُنیا میں جانے کی تیّاریاں شروع ہوئیں۔ حکیم ابوالمحاسن نے عرض کیا کہ کوہ قاف میں زمین کے نیچے پانی کا ایک چشمہ ہے۔ اِس چشمے کے پانی کی تاثیر یہ ہے کہ اگر ایک شخص دنیا سے کوہِ قاف میں آئے اور اِس چشمے میں نہا کر دوبارہ دُنیا میں جائے تو جو کُچھ کوہ قاف میں اُس پر بیتی ہے وہ سب کُچھ بھُول جائے اور اگر یاد بھی آئے تو یُوں لگے جیسے کوئی خواب دیکھا تھا۔

سب نے اِس چشمے پر جا کر غُسل کیا مگر شہزادہ اسماعیل نے کہا کہ شاید ابھی

مُجھے ایک مرتبہ اور کوہ قاف میں آنا پڑے گا، کیوں کہ کئی بھید ایسے ہیں جو مُجھ پر ظاہر نہیں ہوئے۔ پہلا یہ کہ کائناتِ طِلسم کا اصل بادشاہ کون ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ مُرغِ اِسرار کہاں ہے، اور نادرہ رازدار کا اِس طِلسم سے کیا تعلّق ہے۔ تیسرا یہ کہ اقبال شاہ پر بعد میں کیا گزری؟

حکیم ابوالمحاسن نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ حضور میرا عِلم بتاتا ہے کہ آپ وہاں نہیں جائیں گے بلکہ آپ کا بیٹا شہزادہ مُعزّالدّین کوہ قاف کی سیر کرے گا۔ یہ سن کر سب حیران ہوئے حال آں کہ اِس وقت تک شہزادہ مُعزّالدّین پیدا بھی نہ ہوا تھا۔ جِنوں نے ایک دِن اور ایک رات میں اِن تمام انسانوں کو کوہ قاف سے پردۂ دُنیا میں پہنچا دیا۔ وہ مُلک عربیہ میں داخل ہوئے تو سُلطان مہدی اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ خُدا کی قسم میں نے عجیب خواب دیکھا ہے۔ یہ کہہ کر کوہ قاف کی ساری تفصیل سُنائی۔ اُن کے ساتھیوں نے بھی بتایا کہ سب نے ایسے ہی خواب دیکھے ہیں۔ سب دیر

تک حیرت میں رہے۔

مغربیہ میں سُلطان کے آنے کی خبر آناً فاناً پھیل گئی۔ سب نے حاضر ہو کر مبارک باد دی۔ سُلطان نے سلطنت کو رونق بخشی اور جشن منائے جانے کا حُکم دیا۔ غریبوں اور مسکینوں کو کھانا کھلایا گیا اور انعام و اکرام تقسیم ہوئے۔

سُلطان نے جشن کے بعد جبلان کوہ پیر کو کوہستان کی جانب روانہ کیا۔ اِس دوران میں عرب شجاع بیمار ہو کر اِنتقال کر گیا۔ سُلطان کو اُس کے مرنے کا سخت صدمہ ہوا۔ کوہ قاف سے واپس آنے کے بعد اُنھوں نے عرصہ دراز تک حکومت کی۔ پھر تین دِن بیمار رہ کر انتقال کیا۔ مرنے سے پہلے خواب میں کسی بزرگ نے ظاہر ہو کر بتایا کہ تمھاری نسل میں چودہ عظیم الشّان بادشاہ ہوں گے۔ اکرام سلطان کے بعد شہزادہ اسماعیل تخت پر بیٹھا اور پچاس برس حکومت کرنے کے بعد دُنیا سے رُخصت ہوا۔ اُس کا

بیٹا شہزادہ مُعزّ الدّین بہت بہادر اور عاقل تھا اور اُسی کے بارے میں حکیم ابوالمحاسن نے پیش گوئی کی تھی کہ یہ کوہ قاف کی سیر کرے گا اور اُن بھیدوں کو معلوم کرے گا جو شہزادہ اسماعیل کو معلوم نہیں ہو سکے تھے۔

ختم شُد